اخبار الرایہ

شمار نمبر 605

(24-جون-2026)

(عربی سے ترجمہ)

سوڈان: المناک اعداد و شمار اور ایجنٹوں کے تصادم کے درمیان 2

ہم جن بحرانوں کا سامنا کر رہے ہیں وہ ایک ایسی بیماری کی علامات ہیں جس کا علاج معلوم ہے 7

اردگان کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں ؟! 11

اے مسلم افواج: دنیا اور آخرت کی عزت کی طرف نکل کھڑے ہو 13

کیا لیبیا کے لیے امریکہ کی قیادت میں حل کی راہ کامیاب ہو گی ؟ 15

لبنان کا شہر طرابلس خوردبین کے نیچے: قلیعات ایئرپورٹ کے افتتاح کے پس پردہ کیا ہے ؟ 20

اسلامی سرزمینوں سے سیکولرزم کے خاتمے کی ضرورت 24

خلافت ہی وہ ریاست ہے جو حقیقی معنوں میں امت کی نمائندگی کرتی ہے 28

اسلامی معاشی نظام دوسروں پر انحصار سے پاک ہے اور پوری دنیا سے کٹا ہوا نہیں ہے 29

امت اس وقت بیدار ہوتی ہے جب وہ اپنا سیاسی شعور دوبارہ حاصل کر لے 30

کرغزستان میں بڑھتا ہوا چینی اثر و رسوخ 31

جنگ بھڑکانے کے بارہ سال بعد: استعمار یمن کے عوام کا خون بہانا کب بند کرے گا؟ 35

یہ جھوٹ کہ یہودی وجود امریکی پالیسی کو کنٹرول کرتا ہے 39

معاشرے کا اتحاد عملی پالیسیوں کے ذریعے محفوظ رہتا ہے، عارضی جذبات سے نہیں 40

وہ واحد وجود جو ٹرمپ کو لگام ڈالنے اور اس کے تکبر و رعونت کو خاک میں ملانے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ نبوت کے نقشِ قدم پر قائم ہونے والی خلافتِ راشدہ ہے، جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اذن سے عنقریب قائم ہو کر رہے گی۔ مسلمانوں کو اب فیصلہ کن انتخاب کرنا ہو گا اور اپنے غاصب حکمرانوں کو ہٹانے میں تیزی دکھانی ہو گی، تاکہ وہ اپنے اوپر ایک ایسے خلیفہ کو مقرر کر سکیں جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ان کے معاملات چلائے۔ یہ رہنما جماعت 'حزب التحریر' ہی ہے جو اپنے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتی اور جو خلافت کے جھنڈے (لوا) کی حقیقی علمبردار ہے۔ لہٰذا، اس کے ساتھ جدوجہد کرنے اور اس کی نصرت کے لیے پیش قدمی کرنے میں جلدی کریں۔

اداریہ

سوڈان: المناک اعداد و شمار اور ایجنٹوں کے تصادم کے درمیان

تحریر: استاد عبد الخالق عبدون

(ترجمہ)

16 جون 2026 کو، سوڈان میں قومی اور بین الاقوامی انسانی حقوق کے قوانین کی خلاف ورزیوں اور جرائم کی تحقیقات کرنے والی قومی کمیٹی نے اعلان کیا کہ جنگ شروع ہونے کے بعد سے اب تک حراست اور جبری گمشدگی کے 15,000 واقعات سامنے آ چکے ہیں۔ کمیٹی کی سربراہ اور سوڈانی پبلک پراسیکیوٹر انتصار عبد العال نے جنیوا میں اقوام متحدہ کی انسانی

حقوق کونسل کے اجلاس کے دوران بتایا کہ درج شدہ فوجداری مقدمات کی تعداد 149,860 تک پہنچ گئی ہے۔ ان میں 385 ایسے مقدمات شامل ہیں جو باقاعدہ فورسز، یعنی فوج، پولیس اور انٹیلی جنس سروسز، کے ارکان کی طرف سے کی گئی خلاف ورزیوں اور زیادتیوں سے متعلق ہیں، جن کی قانونی استثنیٰ ٹرائل کی تیاری کے لیے ختم کر دی گئی ہے۔ انتصار عبد العال نے وضاحت کی کہ عدالتیں جرائم، خلاف ورزیوں اور ریپڈ سپورٹ فورسز (RSF) کے ساتھ ملی بھگت سے متعلق 10,417 مقدمات کا فیصلہ کر چکی ہیں، اور مزید 21,787 مقدمات میں تحقیقات مکمل کر لی گئی ہیں، جنہیں فیصلے کے لیے قومی عدالتوں میں بھیج دیا گیا ہے۔ انتصار نے اس بات پر زور دیا کہ اقوام متحدہ کے اجلاس میں ان کی شرکت کا مقصد انسانی حقوق کونسل کو انصاف کے حصول، متاثرین کی دادرسی اور سزا سے بچنے کے کلچر کو روکنے کے لیے کی جانے والی قومی کوششوں سے آگاہ کرنا تھا۔

اقوام متحدہ اور اس سے وابستہ تنظیموں نے سوڈان کی صورتحال کو دنیا کی سب سے بڑی انسانی تباہی اور بھوک و نقل مکانی کا سب سے بڑا بحران قرار دیا ہے۔ امریکی محکمہ خارجہ کے پرنسپل ڈپٹی ترجمان ویدانت پٹیل نے بتایا کہ 150,000 سے زیادہ لوگ ہلاک اور 14 ملین سے زیادہ بے گھر ہو چکے ہیں، اور یہ المیہ اب بھی جاری ہے۔ اس دوران، سوڈان کے وزیر سماجی امور نے اطلاع دی کہ وزارت نے جنگ شروع ہونے سے لے کر اکتوبر 2025 کے درمیان عصمت دری کے 1,800 واقعات ریکارڈ کیے ہیں۔ یہ وہ اعداد و شمار ہیں جن میں الفاشر اور کردوفان کے واقعات شامل نہیں ہیں۔ ایسے گھناؤنے فعل اکثر خاندان کے افراد کی موجودگی میں کیے جاتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ خواتین اور بچوں کو غلام بنانا اور ان کی اسمگلنگ بھی جاری ہے، جنہیں پڑوسی ممالک میں فروخت کیا جاتا ہے۔ 'سوڈان ٹریبیون' نے بین الاقوامی لیبر آرگنائزیشن (ILO) کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ گولہ باری اور حملوں کی وجہ سے 37 فیصد طبی مراکز غیر فعال ہو چکے ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 1,858 طبی عملے کے ارکان ہلاک اور 490 زخمی ہوئے۔ بے روزگاری کی شرح 80 فیصد تک پہنچ گئی ہے، جو جنگ سے پہلے 32 فیصد تھی، جس کے نتیجے میں پچاس لاکھ افراد اپنی آمدنی کے بنیادی ذریعے سے محروم ہو چکے ہیں۔

اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں، 'ڈاکٹرز ود آؤٹ بارڈرز' (MSF) نے جنوری 2024 سے مارچ 2025 کے درمیان جنوبی دارفور میں جنسی تشدد کے 659 متاثرین کو طبی امداد فراہم کرنے کی تصدیق کی ہے۔ تنظیم نے بتایا کہ ان میں سے 68 فیصد کیسز ریپ (عصمت دری) کے تھے؛ متاثرین میں 94 فیصد خواتین اور لڑکیاں تھیں، جن میں سے 31 فیصد کی عمر 18 سال سے کم اور 7 فیصد کی عمر دس سال سے بھی کم تھی۔

سوڈانی حکومت نے ریپڈ سپورٹ فورسز (RSF) پر دارفور کے علاقے میں 'دیگریس' اور 'شالا' جیلوں کے اندر انسانی اعضاء کی اسمگلنگ کا ایک منظم نیٹ ورک چلانے کا الزام عائد کیا ہے، جہاں سرکاری اندازوں کے مطابق تقریباً 20,000 فوجی اور سویلین قیدیوں کو رکھا گیا ہے، تاہم، RSF کے ذرائع نے اس الزام کی تردید کی ہے۔

15 جون 2026 کو 'الجزیرہ نیٹ' نے رپورٹ کیا کہ شمالی دارفور کے علاقے 'امبرو' کی لوکیلٹی میں واقع 'اور شی ڈیم' کے علاقے میں RSF کی جانب سے دیہاتوں کو جلانے اور املاک کو لوٹنے کی کارروائیاں مسلسل دوسرے دن بھی جاری رہیں، جس کے دوران ہزاروں خاندان نقل مکانی کر کے قریبی علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ شمالی دارفور میں عوامی مزاحمت (پاپولر ریزسٹنس) کے سرکاری ترجمان ابو بکر احمد امام نے الجزیرہ نیٹ کو بتایا کہ RSF نے گزشتہ صبح اس علاقے پر ایک بڑا حملہ کیا تھا، جس میں فوجی گاڑیوں کے ساتھ ساتھ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار جنگجوؤں کو استعمال کیا گیا۔ اس حملے کے نتیجے میں آٹھ دیہات مکمل طور پر جل کر راکھ ہو گئے اور اور شی مارکیٹ کو لوٹنے کے بعد نذرِ آتش کر دیا گیا، جبکہ بڑی تعداد میں مویشی اور گھروں کا سامان بھی چوری کر لیا گیا۔

یہ حملہ 'تینا' اور 'کرنوئی' کے سرحدی علاقوں اور ان کے گردونواح کو نشانہ بنانے والے کئی دنوں کے بے مثال ڈرون حملوں کے بعد کیا گیا ہے، جبکہ اور شی سے بے گھر ہونے والے لوگ درختوں کے نیچے پناہ لینے اور کھلے آسمان تلے سونے پر مجبور ہیں۔

ابو بکر امام نے الجزیرہ سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ ریپڈ سپورٹ فورسز (RSF) اب بھی علاقے میں موجود ہیں اور بڑے پیمانے پر گھروں کو جلانے کا سلسلہ جاری ہے؛ یہ خطہ اپنے رہائشیوں کی حفاظت کے لیے کسی بھی قسم کی فوجی موجودگی سے بالکل محروم ہے۔ امام نے بتایا کہ ابتدائی اعداد و شمار کے مطابق کم از کم پانچ شہری ہلاک ہوئے جبکہ دیگر کو اغوا کر لیا گیا، اور ہزاروں خاندان وادیوں اور قریبی علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے ہیں جو درختوں کے نیچے کھلے آسمان تلے زندگی گزار رہے ہیں۔

ایک متعلقہ پیش رفت میں، دارفور ریجن کے گورنر منی ارکو مناوی نے فیس بک پر اپنی ایک پوسٹ میں کہا ہے کہ یہ نیا جرم "دارفور کے آبادیاتی نقشے (ڈیموگرافک میپ) کو تبدیل کرنے کی ایک منظم حکمت عملی" کا حصہ ہے۔

24 مئی کو، آر ایس ایف (RSF) کے ڈرونز نے ٹینا کی پر ہجوم مارکیٹ کو نشانہ بنایا، جس میں 14 شہری ہلاک ہوئے، جن میں زیادہ تر خواتین اور بچے تھے، اور درجنوں زخمی ہوئے۔ اگلے دن، کارنوئی میں اسی طرح کا قتلِ عام ہوا، جس میں

سات افراد جاں بحق اور 20 سے زائد زخمی ہوئے۔ بڑھتی ہوئی جارحیت کے سلسلے میں یہ حملے امبارو اور اس کے گردونواح تک پھیل گئے۔ 26 مئی کو، آر ایس ایف کی افواج نے ٹینا کے مغرب میں واقع 'باسو' پانی کے ذخیرے کو نشانہ بنایا، جس کے نتیجے میں تین شہری ہلاک ہوئے اور ایک لاکھ سے زائد بے گھر افراد اور مقامی رہائشیوں کے لیے زندگی کی شہ رگ کی حیثیت رکھنے والا ذریعہ تباہ کر دیا گیا۔ مبصرین کے مطابق، سویلین انفراسٹرکچر کو بار بار نشانہ بنانا اس منظم حکمتِ عملی کی تصدیق کرتا ہے جس کا مقصد بقا کے ذرائع کو ختم کرنا اور شہریوں کو فرار ہونے پر مجبور کرنا ہے۔ یہ وہ طریقہ کار ہے جو اس سے قبل ٹینا، کارنوئی اور امبارو کے علاقوں میں بھی اپنایا جا چکا ہے۔

مسلح جدوجہد کی تحریکوں کی مشترکہ فورس کے ترجمان میجر متوکل علی وکیل ابو جا نے الجزیرہ نیٹ کو بتایا کہ پانی کے ذرائع کو نشانہ بنانا صرف باسو کے ذخیرے تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ امبارو اور ٹینا میں واقع اور شی ذخیرے اور دیگر مقامات تک بھی پھیلا ہوا تھا۔

شمالی دارفور میں عوامی مزاحمت کے ترجمان ابو بکر احمد امام نے پہلے ہی یہ بیان دیا تھا کہ یہ واقعات محض اتفاقی نہیں ہیں۔ انہوں نے وضاحت کی کہ "پانی کے ذرائع کی تباہی اور مساجد پر گولہ باری کوئی اتفاق نہیں تھی، بلکہ یہ زندگی برقرار رکھنے والے وسائل کو کاٹنے، آبادی کو نقل مکانی پر مجبور کرنے اور آبادیاتی نقشہ تبدیل کرنے کے ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ ہے"۔

حالیہ ہفتوں میں، ٹینا، کارنوئی، امبارو اور اور شی کے علاقوں میں نقل مکانی کی پے در پے لہریں دیکھی گئی ہیں۔ جیسے جیسے ریپڈ سپورٹ فورسز اپنی پیش قدمی جاری رکھے ہوئے ہیں، وہاں کے رہائشی تحفظ کی عدم موجودگی اور مسلسل سیکیورٹی خطرات کے باعث انتہائی ابتر حالات کا سامنا کر رہے ہیں۔ نئے بے گھر ہونے والے لوگ ان ہزاروں خاندانوں میں شامل ہو رہے ہیں جو بغیر کسی چھت، خوراک یا دوا کے درختوں کے نیچے کھلے آسمان تلے زندگی گزار رہے ہیں۔ مزید برآں، حملے کی زد میں آنے والے اس خطے میں زخمیوں کے علاج کے لیے کوئی فیلڈ ہسپتال موجود نہیں ہے، اور جلے ہوئے دیہات پانی سے محروم ہو چکے ہیں؛ بے گھر خاندان وادیوں کے درختوں کے نیچے کسی بھی محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں، جو بالکل ویسی ہی صورتحال ہے جیسی اس سے قبل ٹینا، کارنوئی اور امبارو میں دیکھی گئی تھی۔

یہ کشیدگی ریپڈ سپورٹ فورسز کی جانب سے باسو پانی کے ذخیرے کو نشانہ بنانے کے بعد بڑھی ہے، یہ ایک ایسا فعل ہے جسے قانونی ماہرین نے جنیوا کنونشن کے پروٹوکول ون (I) کے آرٹیکل 54 کے تحت ایک "مکمل جنگی جرم" قرار دیا ہے، جو شہری آبادی کے لیے ناگزیر پانی کی تنصیبات کی تباہی کو ممنوع قرار دیتا ہے۔

سوڈان میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ نیک لوگوں کی سرزمین، قرآنِ کریم کی سرزمین، کعبہ کو غلاف پہنانے والے علی دینار کی سرزمین، یہ سب کچھ ہرگز نہ ہوتا اگر ان حکمرانوں کی غلامی اور ملی بھگت نہ ہوتی، جو اپنے آقاؤں کی اس قدر اندھی پیروی کرتے ہیں کہ اگر وہ کسی گوہ (چھپکلی نما جانور) کے بل میں بھی داخل ہوں تو یہ بھی ان کے پیچھے پیچھے وہیں چلے جائیں گے!

یہ جنگ امریکہ کی ہدایات پر اس کے ایجنٹوں، البرہان اور دقلو نے بھڑکائی تاکہ سوڈان پر یورپ، اور بالخصوص برطانیہ، کی گرفت کو ختم کیا جا سکے۔ انہوں نے اس لایعنی تصادم کے نتیجے میں ہونے والی انسانی حقوق کی پامالیوں اور المناک واقعات کی کوئی پرواہ نہ کی۔ سوڈان کے عوام اس وقت تک کبھی دوبارہ سربلند نہیں ہو سکیں گے جب تک ان پر استعمار کے ایجنٹ حکمران رہیں گے، وہ لوگ جو نہ تو کسی قرابت داری کا پاس رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی عہد و پیمان کا، اور جن کی واحد فکر اور تڑپ ملک اور عوام کی قیمت پر محض اپنے آقاؤں کو خوش کرنا ہے۔

نجات اور پناہ کا اب کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ اس ریاست کے تحت اسلامی احکامات کو نافذ کیا جائے جسے اللہ (سبحانہ و تعالیٰ) اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم پر فرض کیا ہے: یعنی خلافت راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ، وہ ریاست جو امتِ مسلمہ کی حفاظت کرے اور کفر و کافروں کو پسپا کر دے۔

ولایہ سوڈان میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

ہم جن بحرانوں کا سامنا کر رہے ہیں وہ ایک ایسی بیماری کی علامات ہیں جس کا علاج معلوم ہے

تحریر: استاد ناصر شیخ عبد الحی

(ترجمہ)

شبیحہ ملیشیا، بڑے مجرموں اور بشار کی معدوم حکومت کے کارندوں کے احتساب کا معاملہ حال ہی میں بڑی شدت کے ساتھ دوبارہ ابھرا ہے۔ شام کے متعدد شہروں اور قصبوں میں غصے سے بھرپور مظاہرے پھوٹ پڑے ہیں، جن میں ان لوگوں کے خلاف منصفانہ بدلے کا مطالبہ کیا جارہا ہے جنہوں نے مسلمانوں کا خون بہایا اور چودہ سالوں کے دوران مفرور ظالم کی حکومت کے جرائم میں اس کا ساتھ دیا۔ اسی دوران، وزارتِ داخلہ نے ان حالیہ واقعات کے حوالے سے ایک

بیان جاری کیا ہے، جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ "انصاف کا حصول اور جرائم و خلاف ورزیوں کے مرتکب افراد کا احتساب ریاست کی ذمہ داری ہے جو وہ اپنے متعلقہ اداروں کے ذریعے پوری کرتی ہے"۔

وزارت نے عوام پر زور دیا ہے کہ وہ "تحمل کا مظاہرہ کریں اور انتقامی کارروائیوں یا ماورائے عدالت حملوں کی طرف مائل ہونے سے بچیں،" اور یہ نوٹ کیا ہے کہ اس طرح کے اقدامات "سلامتی اور استحکام کے لیے خطرہ ہیں اور انصاف کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں"۔ اس نے "سلامتی اور استحکام برقرار رکھنے کے لیے یکجہتی اور ملک کو تباہ کن افراتفری میں دھکیلنے کی کسی بھی کوشش کو روکنے" کی بھی اپیل کی۔ ساتھ ہی، نیشنل کمیشن فار ٹرانزیشنل جسٹس (قومی کمیشن برائے عبوری انصاف) نے "مساوی شہریت اور قانون کی حکمرانی پر مبنی ریاست کے قیام کے عزم کی بنیاد پر امن کی تعمیر" کی بات کی ہے۔

اس تناظر میں، ہمیں چند بنیادی نکات پر غور کرنے اور صورتحال کی وضاحت کے لیے رکنا ضروری ہے:

اولاً: رونما ہونے والے واقعات کی مخصوص تفصیلات سے قطع نظر، عوام کا یہ طرزِ عمل ثابت کرتا ہے کہ اصل اور حتمی اختیار عوامی قوت کے پاس ہی ہوتا ہے۔ یہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ انقلاب کی چنگاری آج بھی عوام کے دلوں میں گہری جڑیں رکھتی ہے، اور یہ کہ عوام کی نبض، ان کے رخ اور ان کی کوششوں کو ایک ایسے حقیقی اور جامع منصوبے کی تکمیل کی طرف موڑنا چاہیے جو اپنی تفصیلی حکمتِ عملی کے ذریعے تمام مخصوص مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

ثانیاً: عوام ظلم اور جبر کے نظام کے خلاف کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے انقلاب کے لیے واضح اصول مقرر کیے تھے۔ ان اصولوں میں حکومت کا اس کے تمام ستونوں، کلیدی مہروں اور بڑے مجرموں سمیت خاتمہ، سازشی ممالک سے تعلقات کا انقطاع، اور اسلام کے زیرِ سایہ ریاست کا قیام شامل تھا۔ تاہم، حالیہ واقعات عوام کی ان امنگوں، جن کے لیے انہوں نے انقلاب برپا کیا اور لازوال قربانیاں دیں، اور عبوری مرحلے کے حوالے سے شامی انتظامیہ کے طرزِ عمل کے درمیان ایک وسیع خلیج کو نمایاں کرتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انتظامیہ ان بین الاقوامی معاہدوں کی پابند ہے جو عملی طور پر انقلاب کے عزائم، نعروں اور مقاصد کو بے اثر کر دیتے ہیں۔

عوامی غصے کی بنیاد یہ احساس ہے کہ یہ مقاصد ابھی تک ادھورے ہیں؛ وہ بڑے مجرم جنہوں نے خون بہایا، دولت لوٹی، عصمت دری کی اور لوگوں کو دربدر کیا، ان کا کوئی احتساب نہیں ہوا۔ ان میں سے کچھ بغیر کسی پوچھ گچھ کے آزاد گھوم

رہے ہیں، اور نہایت افسوس کے ساتھ، کچھ تو فیصلہ سازی کے کلیدی عہدوں تک جا پہنچے ہیں۔ جب عوام اس امید سے محروم ہونے لگتے ہیں کہ ریاست انہیں مطلوبہ انصاف فراہم کرے گی، تو ان کا رجحان تیزی سے اس طرف بڑھ جاتا ہے کہ وہ معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

ثالثاً: میڈیا کے نمائندوں اور دیگر افراد کا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے والوں پر بیرونی ایجنڈوں سے جڑے ہونے کا الزام لگانا قطعی طور پر ناقابلِ قبول ہے۔ اس طرح کے الزامات ایک سنگین ناانصافی ہیں۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے، تو نہ بشار کی مردہ حکومت ختم ہوتی اور نہ ہی انقلاب کو کامیابی ملتی۔ درحقیقت، ایسے اقدامات "نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے" ہی کی ایک شکل ہیں، بشرطیکہ وہ ان اصولوں پر مبنی ہوں جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو پسند ہیں۔

رابعاً: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ**﴾ "اور اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم (برائیوں سے) بچو۔" (سورہ البقرہ: 179) یہ ایک واضح الٰہی طریقہ کار ہے جو انصاف، مساوات اور استحکام کو فروغ دیتا ہے۔ اس سے روگردانی ناانصافی، تفرقہ، بے چینی اور اتحاد کے پارہ پارہ ہونے کا باعث بنتی ہے، خواہ اس کے لیے "شہری امن" یا "سماجی سلامتی" جیسے بہانے ہی کیوں نہ گھڑے جائیں۔

خامساً: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكاً**﴾ "اور جس نے میری نصیحت سے منہ موڑا، تو اس کے لیے (زندگی کی) معیشت تنگ ہوگی۔" (سورہ طٰہٰ: 124) لہٰذا، یہ ایک شرعی فریضہ ہے کہ کوئی بھی احتجاج جو کسی بنیادی حل کا مطالبہ کرے، اس کا رخ واضح طور پر اللہ کی شریعت کے نفاذ کی طرف ہونا چاہیے، جس میں ہی ہمارے درپیش بحرانوں کا اصل حل موجود ہے۔ ہمارا بحران حکمرانی اور اقتدار کا ہے، جو شرعی احکام اور حل نافذ نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ہمارا بنیادی کام ایک ایسے منصوبے کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرنا ہے جو ان تمام مسائل کا جڑ سے حل نکالنے کی صلاحیت رکھتا ہو، ایک ایسا منصوبہ جس کے علمبردار مخلص، روشن خیال اور نظریاتی مدبرین ہوں۔ ان قائدین کے پاس اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے، مسائل حل کرنے اور چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک واضح وژن اور تفصیلی منصوبہ ہونا چاہیے، جو اس شعور، بہادری اور نظریاتی پختگی کے ساتھ ہو جس کا تقاضا ہمارے عقیدے اور ہمارے رب اللہ تعالیٰ کی شریعت کرتی ہے، اور جو

امریکہ اور مغرب کے بتائے ہوئے طریقوں اور حکموں سے مکمل طور پر آزاد ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم جن بحرانوں کا سامنا کر رہے ہیں وہ محض ایک ایسی دائمی بیماری کی علامات ہیں جس کا یقینی اور معلوم علاج موجود ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کی اطاعت سے منہ موڑنا، اور ایک ایسی ریاست جو اسلام کا نفاذ کرے اس کے قیام کے لیے عظیم اسلامی منصوبے کے گرد عوام کا متحد نہ ہونا، دمشق کی موجودہ عبوری انتظامیہ کو حل کے معاملے میں تاخیری حربے استعمال کرنے اور احتساب کے عمل کو بے اثر کرنے کا موقع فراہم کرے گا۔ اس کے نتیجے میں یہ یقینی ہو جائے گا کہ آنے والے دن استحکام، انصاف اور عوامی امور کی درست نگرانی کے بجائے ہنگاموں، بحرانوں اور مسائل سے بھرپور ہوں گے۔

چھٹا نکتہ: عوامی قوت اسلام کے نفاذ کے لیے حمایت کا فطری ستون ہے۔ یہ بہت بڑی بھلائی کا منبع ہے، اور اس کی قدر کرنا اور اس کی پشت پناہی کرنا ایک فریضہ ہے، نہ کہ اسے دیوار سے لگانا یا اس کی قربانیوں کو نظر انداز کرنا! بڑی غیر ملکی طاقتوں پر بھروسہ کرنا ایک خطرناک جال اور ہولناک نتائج کا حامل ایک سنگین شر ہے۔ یہ نہ تو ہمیں تحفظ فراہم کرے گا اور نہ ہی ہمارے لیے استحکام یا کوئی مطلوبہ فائدہ لائے گا۔ یہ نہ ہمیں بچائے گا اور نہ ہی ہمارا ایک بھی مسئلہ حل کرے گا۔ بلکہ، یہ اس سراب کی مانند ہے جسے پیاسا پانی سمجھ لیتا ہے، درحقیقت، یہی بیماری کی جڑ اور مصیبت کا منبع ہے، کیونکہ انہی ریاستوں نے ہماری تحریک کو کچلنے کی کوشش میں بشار کی مردہ حکومت کا ساتھ دیا تھا۔ جو چیز ہمیں حقیقی نجات دلائے گی، اور ہمارے لیے اطمینان، انصاف، تحفظ، پاکیزہ زندگی اور درست نگہبانی کو یقینی بنائے گی، وہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، اسی پر توکل کرنا، اس کی شریعت کا نفاذ اور اس کے شرعی احکام کو قائم کرنا ہے۔

عزت، کامیابی اور تمکین (غلبے) کا راستہ بالکل واضح ہے؛ اس کا قطب نما وہ ریاست ہے جو ہمارے درمیان اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو نافذ کرے، ایک ایسی ریاست جو آسمان والے (اللہ) اور زمین کے باسیوں کے لیے خوشنودی کا باعث ہو، اور جس کی خیر و برکت اسلامی ممالک بلکہ دنیا کے چپے چپے تک پہنچ جائے۔ پس کوشش کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اسی عظیم بھلائی کے لیے تگ و دو کریں۔

ولایہ شام میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

اردگان کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟!

ترک صدر رجب طیب اردگان نے ترک پارلیمنٹ میں جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی کے پارلیمانی گروپ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "ہم 'ارضِ موعود' (وعدہ کی گئی زمین) کے واہموں کے حتمی مقصد سے بخوبی واقف ہیں، اور اللہ نے چاہا تو ہم اسے کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیں گے"۔ انہوں نے واضح کیا کہ ترکی کی سلامتی صرف جنوبی صوبے ہتاے (Hatay) سے شروع نہیں ہوتی بلکہ اس کا آغاز حلب، دمشق اور بیروت سے ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "اگر اسرائیل کی غنڈہ گردی کو نہ روکا گیا تو اس کی قیمت صرف یہ خطہ ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت ادا کرے گی"۔ اردگان نے عالمی طاقتوں پر زور دیا کہ وہ یہودی وجود کے خلاف واضح موقف اختیار کریں؛ ان کا کہنا تھا کہ "اسرائیل کو قانون کی حکمرانی کا پابند بنانا اب صرف چند ممالک کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی مشترکہ ذمہ داری ہے"۔

اردگان کے ان بیانات کے تناظر میں حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس نے ایک پریس ریلیز جاری کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: اردگان ایک ہی تقریر میں یہودی وجود کو ایک 'حقیر وجود' قرار دیتے ہیں، مگر ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ اسے روکنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے عالمی طاقتوں اور پوری انسانیت کی ضرورت ہے! جبکہ وہ خطے میں یہودی وجود کی خطرناک کارروائیوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور اس کے توسیع پسندانہ تلمودی عزائم سے بھی مکمل آگاہ ہیں، لیکن وہ عملی اقدام کے بجائے محض تماشائی بنے رہنے اور مذمت کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں! حلب، دمشق اور بیروت کی سلامتی کو انقرہ کی اپنی سلامتی قرار دینے کے باوجود وہ ان شہروں پر یہودیوں کے وحشیانہ حملوں پر مسلسل خاموش رہے ہیں!۔

پریس ریلیز میں مزید کہا گیا: یہ ہمیں ایرانی حکمرانوں کے ان بیانات کی یاد دلاتے ہیں جو سالہا سال تک یہودی وجود کو نقشے سے مٹانے اور ایران پر حملے کی صورت میں اسے آٹھ منٹ میں نیست ونابود کرنے کے دعوے کرتے رہے۔ وہ اس وقت تک محض انتظار کرنے، دیکھنے اور دھمکیاں دینے میں مصروف رہے جب تک یہودی وجود نے ایران پر براہِ راست وار کرنے، قتل وغارت گری اور تباہی مچانے کی جرات نہ کرلی۔ بیان میں سوال اٹھایا گیا: کیا اردگان اپنے ملک کے لیے بھی اسی انجام کے منتظر ہیں جو ایران کا ہوا، کیا وہ تب اس کے دفاع کے لیے اٹھیں گے؟ کیا وہ یہودیوں کی سازشوں اور ایران کے بعد ترکی اور مصر پر یلغار کرنے کی مسلسل دھمکیاں نہیں دیکھ رہے؟ یا وہ خود کو ان لوگوں سے زیادہ عقل مند اور ہوشیار سمجھتے ہیں جنہوں نے کافر استعمار پر بھروسہ کرکے اپنی امت اور ملک سے غداری کی اور پھر اس کا عبرت ناک انجام بھگتا؟۔

بیان میں مزید اس بات پر زور دیا گیا کہ: یہودی وجود ایک کینسر کی مانند ہے جو صرف طاقت کی زبان سمجھتا ہے، وہ کسی وعدے یا عہد کا پاسدار نہیں، اور میسوپوٹیمیا (عراق) میں اس کے عزائم اور مشرقِ وسطیٰ کے نئے نقشے کی باتیں بالکل واضح اور اعلانیہ ہیں، لہٰذا میدانِ جنگ کے بغیر خالی خولی دھمکیوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ: امتِ مسلمہ کے مسائل کو ٹکڑوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی انہیں قوم پرستی یا وطن پرستی کے تنگ نظریوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ مسلم امت ایک واحد امت ہے؛ اس کی جنگ ایک ہے اور اس کی صلح ایک ہے۔ جو کچھ غزہ یا القدس پر بیتا ہے، وہی دمشق، انقرہ، قاہرہ اور اسلام آباد کا مسئلہ ہے۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ ترکی، مصر، شام اور تمام مسلم ممالک کی افواج کو کسی بھی مسلم سرزمین کی نصرت کے لیے متحرک ہونا چاہیے، چاہے وہ کہیں بھی ہو۔ کسی بھی حکمران کے لیے یہ انتظار کرنا کہ یہودی اس کے دروازے پر دستک دیں اور اس کا تخت الٹ دیں، سراسر حماقت ہے۔

پریس بیان کے اختتام پر کہا گیا: اردگان! یہ کھوکھلی بیان بازی اور تقریریں اب بند کرو! اگر تم مخلص ہو تو اپنی فوج کو یہودی وجود کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور امت کو اس کے شر سے نجات دلانے کے لیے حرکت میں لاؤ۔ بصورتِ دیگر، یہ میدان ان مخلص قائدین اور رہنماؤں کے لیے چھوڑ دو جو حق کی آواز بلند کریں اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کا اعلان کریں، تاکہ مسلمانوں کے خلفائے راشدین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خلافت کو دوبارہ عزت، غلبے اور آزادی کے مینار کے طور پر بحال کیا جاسکے۔

اے مسلم افواج: دنیا اور آخرت کی عزت کی طرف نکل کھڑے ہو

اے مسلم افواج کے سپاہیو اور افسرو! تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم اپنے لوگوں کے دکھوں سے اتنے بے نیاز کیوں ہو؟ تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ "اللہ کی راہ میں نکلو" تو تم زمین سے چمٹ کر رہ جاتے ہو؟! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تمہیں ارضِ مقدس فلسطین کی آزادی کے لیے پکارا جاتا ہے تو تم کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہو اور پیٹھ پھیر لیتے ہو؟! تم کب تک ہمارے شہداء کے لہو کو محض گنتی کے اعداد و شمار سمجھتے رہو گے اور اپنی ذمہ داریوں کے بوجھ کو محسوس کرو گے؟!۔

اللہ کی قسم! تم سے ضرور باز پرس ہو گی، اور خون کا ہر قطرہ تمہارے خلاف اس ہولناک دن گواہی دے گا جب دل دہل جائیں گے اور آنکھیں دہشت سے پتھرا جائیں گی۔ اس دن کوئی حکمران یا افسر تمہارے کام نہیں آسکے گا۔ بلکہ تم موت کا ذائقہ چکھ چکے ہو گے اور فرشتے تمہارا استقبال ان الفاظ میں کریں گے: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ "اور تم ہمارے پاس تن تنہا آ گئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمہیں (دنیا میں) عطا کیا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھ رہے جن کے بارے میں تمہارا دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے معاملے میں (اللہ کے) شریک ہیں۔ تمہارے آپس کے تمام تعلقات منقطع ہو گئے اور تمہارے تمام دعوے تم سے گم ہو گئے۔" (سورۃ الانعام: 94)

پس دنیا اور آخرت کی سربلندی کے لیے نکل کھڑے ہو، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ان ارشادات کو یاد کرو: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ * إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَاباً أَلِيماً وَيَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئاً وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ "اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین سے لگ جاتے ہو؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ حالانکہ دنیا کی زندگی کا فائدہ آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ اگر تم (جہاد کے لیے) نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا اور تم اللہ کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (سورۃ التوبہ: 38-39)

کیالیبیا کے لیے امریکہ کی قیادت میں حل کی راہ کامیاب ہو گی؟

تحریر: استاد احمد المہذب

(ترجمہ)

یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ لیبیا اس وقت سیاسی اور فوجی دونوں محاذوں پر ایک سنگین بحران کی لپیٹ میں ہے۔ افریقی امور کے لیے ٹرمپ کے مشیر، مسعد بولس نے اس بحران کا ایک حل تجویز کیا ہے، تاہم یہ منصوبہ بعض بااثر داخلی دھڑوں کی حمایت حاصل کرنے میں ناکام رہا کیونکہ اس میں ان میں سے کچھ کو نشانہ بنایا گیا تھا جبکہ دیگر کی قوت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ نتیجے کے طور پر، اس کے خلاف مزاحمت پیدا ہوئی اور اس کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔ ان رکاوٹوں میں وہ احتجاجی مظاہرے اور ہنگامہ آرائی کے واقعات بھی شامل تھے جن میں لیبیا سے اقوام متحدہ کے مشن کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ناقدین اس مشن پر الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ اس عمل میں مصنوعی تبدیلیاں لا کر اور مسئلے میں ایسے نئے عناصر متعارف کروا کر حل میں تاخیر کر رہا ہے جو نہ تو اصل مشاورت کا حصہ تھے اور نہ ہی خود تنازع کی وجوہات میں شامل تھے۔

اقوام متحدہ کے مشن کی جانب سے حل پر بحث کے لیے جمع کیے گئے بہت سے شرکاء نے اچانک خود کو ایسی نئی شرائط کا پابند پایا جن کا اصل میں کسی نے مطالبہ نہیں کیا تھا، اور یوں مکالمے کا رخ ہی بدل دیا گیا۔ چنانچہ، اس مشن کو ان لوگوں کا ساتھ دیتے ہوئے دیکھا جا رہا ہے جو بحران کو طول دینا چاہتے ہیں، جو کہ امریکہ اور بعض یورپی ممالک کی خواہشات کے عین مطابق ہے، کیونکہ اس صورتحال پر امریکہ کا مکمل کنٹرول ہے۔

اقوام متحدہ کے مشن کو ملک سے نکالنا اب عوام کے لیے بذاتِ خود ایک نصب العین بن چکا ہے، جس کے پیچھے اس کردار کا شعور کارفرما ہے جو یہ مشن اس بحران میں ادا کر رہا ہے۔ یہ بات اب واضح ہو چکی ہے کہ امریکہ اس مشن کو تنازع کے دورانیے کو طویل کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

اس تناظر میں ایک نئی پیش رفت ان افریقیوں کو نکالنے کے مطالبات کا ابھرنا ہے جو سرکاری دستاویزات کے بغیر ملک میں داخل ہو رہے ہیں، جنہیں "غیر قانونی مہاجرین" کہا جاتا ہے، جس کی وجہ سے سیاہ فام افراد کا پیچھا کرنے اور انہیں نشانہ بنانے کے واقعات رونما ہوئے ہیں۔

یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ کچھ ادارے اس صورتحال کا استحصال کر رہے ہیں اور اسے شہ دے رہے ہیں، اور یہ الزامات بھی گردش کر رہے ہیں کہ اقوام متحدہ کا مشن یورپی ممالک کے مفادات کی تکمیل کے لیے افریقیوں کو لیبیا میں آباد کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ بظاہر، امریکی تجویز ملک کو ان مسلح اور سیاسی دھڑوں سے نجات دلانے کی پیشکش کرتی نظر آتی ہے جو موجودہ تقسیم اور انتشار کو مزید بگاڑ رہے ہیں۔ ان مسلح گروہوں میں سے ہر ایک کسی نہ کسی مخصوص سرکاری ادارے یا سہولت پر قابض ہے، جیسے کہ مرکزی بینک، مغربی لیبیا کا واحد ہوائی اڈا، یا سمندری بندرگاہیں، جبکہ کچھ پورے صوبوں یا اہم بلدیات پر تسلط رکھتے ہیں۔

نتیجے کے طور پر، اس تجویز کی مخالفت بنیادی طور پر ان دھڑوں کی طرف سے آ رہی ہے جو موجودہ صورتحال سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

گہری نظر سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجویز ملک کی اصل مصیبت، یعنی مغربی ایجنٹوں، بالخصوص امریکہ کے ایجنٹوں کے غلبے کا کوئی حقیقی حل پیش نہیں کرتی۔ اس کے بجائے، یہ صرف عوام کی تکالیف کے لیے ایک عارضی تسکین اور سیاسی طور پر متحرک آبادی کو دھوکہ دینے کی ایک کوشش ہے، جس کا مقصد کچھ وقت کے لیے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے۔ امریکی تجویز میں دو سال کا وقت مقرر کیا گیا ہے، جس کے بعد غالباً بحران کو طول دینے کے لیے کوئی

نیا حربہ متعارف کرایا جائے گا۔ یہ حکمت عملی امریکہ کو اسلامی دنیا کے ان دیگر خطوں کی طرف متوجہ ہونے کا موقع دیتی ہے جو اس کے زیرِ اثر ہیں اور ان ایجنٹوں کی پوزیشن مضبوط کرنے میں مدد دیتی ہے جن کے عہدے خطرے میں ہیں، جیسے کہ سوڈان یا شام میں۔

یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ لیبیا کی داخلی صورتحال تیزی سے غیر مستحکم ہوتی جا رہی ہے۔ یہ خاص طور پر اس وقت ہو رہا ہے جب عوام اس حقیقت سے آگاہ ہو رہے ہیں کہ اقوام متحدہ کا مشن بعض یورپی ممالک کے ساتھ مل کر لیبیا کو غیر قانونی ہجرت کا مرکز بنانے کی سازش کر رہا ہے، جس کے نتیجے میں بڑھتی ہوئی نسلی کشیدگی کے درمیان وسطی افریقہ سے مہاجرین کی بڑی تعداد ملک میں داخل ہو رہی ہے۔ یہ صورتحال مختلف مفادات کو تقویت دیتی ہے، اور اوپر سے وہ موقع پرست بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں جو سماجی فکر کے لبادے میں ہجوم کے جذبات کا استحصال کرتے ہیں۔ مزید برآں، کارکنوں کے گروہوں نے اقوام متحدہ کے مشن کے خلاف تحریک شروع کر دی ہے اور مہاجرین کو مستقل طور پر آباد کرنے اور حل کی راہ روکنے کے لیے بحران کو طول دینے کے مشکوک منصوبوں میں اس کے کردار کی وجہ سے اس کی بے دخلی کا مطالبہ کیا ہے۔ مختصراً یہ کہ لیبیا اس وقت امریکہ کی طرف سے پیش کیے گئے "زہریلے حل" کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ ان تجاویز کا مقصد محض ایک عارضی مداوا فراہم کرنا ہے تاکہ کسی فوجی دھماکے کو روکا جا سکے، ایک ایسا منظر نامہ جس کے بارے میں امریکہ کا خیال ہے کہ وہ قابو سے باہر صورتحال کا باعث بنے گا۔

امریکہ نے بظاہر اپنا مجوزہ حل پیش کر دیا ہے، جس کے کلیدی نکات درج ذیل ہیں:

1۔ جنرل کمانڈ کا خاتمہ، جو کہ درحقیقت حفتر کا ادارہ ہے۔

2۔ تین فوجی زون قائم کرنا:

(الف) بنغازی ملٹری زون، جس کی قیادت خالد حفتر کریں گے۔

(ب) سدرن ملٹری زون، جس کی قیادت افسر علی قنا کریں گے، جو سابقہ حکومت کی باقیات سے وابستہ ایک تجربہ کار افسر ہیں۔

(ج) ویسٹرن لیبیا ملٹری زون، جو ابو گرین سے تیونس کی سرحد پر راس اجدیر تک پھیلا ہوا ہے، جس کے سربراہ میجر جنرل النمروش ہوں گے۔

3۔ دفاع کے نئے وزیر کا تقرر۔

4۔ مشرقی حکومت کو ختم کرنا اور اس کے وزراء کو دبیبہ حکومت میں ضم کرنا۔

5۔ صدام حفتر کو صدارتی کونسل کا سربراہ مقرر کرنا، جو عوامی نظر میں ملک کا اصل حکمران ہو گا، یہ عہدہ اس وقت محمد المنفی کے پاس ہے۔

6۔ نئی دبیبہ حکومت کو، جو اب مشرق کے وزراء کی شمولیت سے مضبوط ہو چکی ہے، پارلیمانی اور صدارتی انتخابات کے انعقاد کے لیے 24 ماہ کی مہلت دینا۔

7۔ انتخابات کے بعد دارالعوام (House of Representatives) اور سپریم کونسل آف اسٹیٹ دونوں کو تحلیل کرنا۔

اس میں مرکزی بینک اور نیشنل آئل کارپوریشن کے حوالے سے اضافی دفعات بھی شامل ہیں، اگرچہ یہ مقامی تنازعے کا مرکزی حصہ نہیں ہیں۔

صدارتی کونسل کے چیئرمین محمد المنفی، لیبیا کی سپریم کونسل آف اسٹیٹ کے سابق چیئرمین خالد المشری، اور طبرق میں قائم پارلیمنٹ، یعنی لیبیا کے دارالعوام کے اسپیکر عقیلہ صالح نے فوری طور پر اس تجویز کی مخالفت کی۔

اسے بعض قومی شخصیات کی طرف سے بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، جیسے کہ محمد صوان، جو اخوان المسلمون سے وابستہ ڈیموکریٹک پارٹی کے سربراہ ہیں۔ انہوں نے اسے ایک "اوپر سے مسلط کردہ سودا" قرار دیا اور مسعد بولس کی اس تجویز پر ایک طویل تبصرے میں اسے "سیاسی منظرنامے کو دوبارہ ترتیب دینے کا ایک جلد بازی میں کیا گیا سمجھوتہ" قرار دیا۔ ایک تبصرے میں، ممتاز تجزیہ نگار محمد محفوظ نے نوٹ کیا کہ اس تجویز نے مختلف دھڑوں کی طرف سے شدید ردعمل کو جنم دیا؛ عملی اقتدار کے حصوں نے، بشمول عقیلہ صالح اور ان کی پارلیمنٹ کے وہ اراکین جو مغرب، جنوب اور مشرق کی نمائندگی کرتے ہیں، اور ساتھ ہی سپریم کونسل آف اسٹیٹ اور صدارتی کونسل کے اندر موجود شخصیات، اور مختلف بااثر شخصیات اور سیاسی جماعتوں نے، اس منصوبے کو مسترد کر دیا۔ مقامی ٹیلی ویژن چینلز، جیسے کہ 'لیبیا الاحرار' اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ جیسے کہ 'الجزیرہ' نے اس اقدام پر تنقید کے لیے بھرپور وقت وقف کیا۔ مثال کے طور پر، 'الجزیرہ نیٹ' نے ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا "طاقتوروں کی شراکت داری یا موجودہ صورتحال کا استحکام؟" جس میں یہ

دلیل دی گئی کہ امریکی اقدام مؤثر طریقے سے ایک ایسے عملی تصفیے کے نفاذ کی طرف بڑھ رہا ہے جس کی توجہ موجودہ اثرو رسوخ کے حلقوں کو قانونی حیثیت دینے اور مشرقی لیبیا میں حفتر خاندان اور مغرب میں دبیبہ خاندان کے درمیان اقتدار کی تقسیم پر مرکوز ہے۔

دریں اثناء، 'عرب پوسٹ' کی ویب سائٹ نے ایک مفصل رپورٹ شائع کی جس کا عنوان تھا "کیا بولس اقدام حفتر اور دبیبہ خاندانوں کے درمیان اقتدار کی دوبارہ تقسیم کے سودے میں بدل جائے گا...؟" رپورٹ میں پردے کے پیچھے ہونے والی غیر اعلانیہ ملاقاتوں پر روشنی ڈالی گئی جن کا مقصد ایک نیا گورننس فارمولا وضع کرنا ہے جو پہلے انتخابات منعقد کیے بغیر مشرق اور مغرب کے اثرورسوخ کو یکجا کرے۔

بین الاقوامی اور اطالوی میڈیا اداروں، جیسے کہ 'جون افریق' (Jeune Afrique) میگزین، نے بھی روم میں ہونے والی خفیہ ملاقاتوں کی تفصیلات ظاہر کیں جن میں دونوں اطراف کی نمائندگی کرنے والی اہم شخصیات شریک تھیں، خاص طور پر ابراہیم دبیبہ، جو کہ قومی سلامتی کے مشیر اور وزیر اعظم عبد الحمید دبیبہ کے کزن ہیں، اور صدام حفتر، جو کہ مشرقی لیبیا میں مسلح افواج کے کمانڈر انچیف کے بیٹے ہیں۔

تصفیے کی بنیادوں کے بارے میں پریس رپورٹس بتاتی ہیں کہ امریکی نقطہ نظر انتہائی عملیت پسندی (pragmatism) اور زمین پر موجود اصل مراکزِ قدرت کے ذریعے استحکام برقرار رکھنے پر انحصار کرتا ہے۔ یہ براہ راست دو طرفہ افہام و تفہیم پر توجہ مرکوز کرتا ہے اور سیاسی عمل کو ان دو شخصیات تک محدود کرتا ہے جو سب سے زیادہ مالی اور فوجی اثرورسوخ رکھتی ہیں، یعنی ابراہیم دبیبہ اور صدام حفتر، تاکہ سپریم کونسل آف اسٹیٹ اور دارالعوام کے درمیان پیچیدہ تنازعات کو نظر انداز کیا جا سکے، جبکہ اس اقدام کا محور معیشت اور تیل کے شعبے کو بنایا گیا ہے۔

تاہم، ان مباحثوں نے زمین پر موجود بااثر قوتوں کی جانب سے اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا ہے؛ نتیجتاً، امریکی اقدام کی ناکامی کا قوی امکان ہے اور اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو پچھلی کوششوں کا ہوا تھا۔ اس لیے، ایک ایسی فکری بنیاد قائم کرنا ضروری ہے جس پر ملک کی متصادم اور حریف قوتیں متحد ہو سکیں۔ اسلام کے علاوہ ایسی کوئی بنیاد نہیں جو ان دشمن دھڑوں کو متحد کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق: ﴿**وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلَامِ دِيناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ**﴾ "اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا، تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔" [سورۃ آل عمران:85]

لبنان کا شہر طرابلس خوردبین کے نیچے: قلیعات ایئرپورٹ کے افتتاح کے پس پردہ کیا ہے؟

تحریر: استاد احمد القصص

(ترجمہ)

حالیہ برسوں میں، لبنان کے شہر طرابلس نے اپنے متعلق میڈیا کے بیانیے اور سیاسی و معاشی فیصلوں میں غیر معمولی تبدیلیاں دیکھی ہیں۔ برسوں تک جان بوجھ کر نظر انداز کیے جانے اور اس شہر پر "لبنان کا قندھار" اور انتہا پسندی و دہشت گردی کے گڑھ جیسے ناانصافی پر مبنی لیبل لگائے جانے کے بعد، اچانک یہ تصویر بدل کر "انقلاب کی دلہن" اور بقائے باہمی اور امن کے شہر کی صورت اختیار کر گئی ہے۔

یہ تبدیلی یہیں نہیں رکی بلکہ یکے بعد دیگرے بڑے اقدامات اور منصوبے سامنے آئے ہیں، جن کا آغاز پڑوسی علاقے عکار میں واقع قلیعات ایئرپورٹ کو آئندہ ستمبر سے فعال کرنے کے اعلان سے ہوا، پھر طرابلس کی بندرگاہ کی ترقی کے منصوبے اور آخر کار بین الاقوامی ریلوے کی بحالی کے منصوبے کا اعلان ہوا۔ اس حیران کن منظر نامے کے سامنے ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے: کیا ہم لبنان کے حکمران طبقے کی طرف سے تاخیر سے جاگنے والی کسی انسانی ہمدردی کا مشاہدہ کر رہے ہیں، یا حقیقت یہ ہے کہ طرابلس کو ایک ایسے جغرافیائی سیاسی (geopolitical) اور سرمایہ کاری کے نقشے میں ضم کیا جارہا ہے جو اس کی جغرافیائی حدود سے کہیں زیادہ وسیع ہے؟

معاشی بحالی: ایک غیر ملکی ایجنڈا، نہ کہ مقامی بیداری

یہ بات سیاسی طور پر نادانی ہوگی کہ ان پیش رفتوں کو ایک آزاد لبنانی ارادے کا نتیجہ سمجھا جائے جس کا مقصد شمالی لبنان، بالخصوص طرابلس اور اس کے گردونواح کے جغرافیائی و آبادیاتی علاقوں کے ساتھ ہونے والی تاریخی ناانصافی کا ازالہ کرنا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب لبنان تباہی کا شکار ہے اور تقریباً دس لاکھ لوگ اپنے گھروں سے بے گھر ہو چکے ہیں، بنیادی ڈھانچے کے اتنے بڑے منصوبوں کا آغاز الجھن پیدا کرتا ہے۔ حقیقت میں، جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک امریکی سیاسی فیصلے کا ثمر ہے جو طرابلس کو سرمایہ کاری اور معاشی نقشے کے مرکز میں رکھتا ہے، جس میں پورا خطہ شام (Levant) شامل ہے۔

یہ اس منصوبے کے دائرے میں آتا ہے جسے پہلے "نیا مشرق قریب"(New Levant) کا نام دیا گیا تھا، جو مصر سے شام اور وہاں سے عراق تک پھیلا ہوا ہے، اور یہ خلیجی ریاستوں سے یورپ تک توانائی کی فراہمی کے منصوبوں اور علاقائی و بین الاقوامی سرمایہ کاری سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔

قلیعات ایئرپورٹ کی افتتاحی تقریب میں امریکی سفیر کی قبل از وقت اور نمایاں موجودگی قابلِ توجہ تھی، جہاں انہوں نے اعلان کیا کہ یہ اقدامات لبنان کو بحالی کی راہ پر گامزن کر رہے ہیں۔ یقیناً، یہ منصوبے خطے میں تنازعات کو ختم کرنے کی تیز تر کوششوں اور "ابراہیمی معاہدوں"(Abraham Accords) کے ذریعے یہودی ریاست کو اس نئے معاشی نقشے میں شامل کرنے کے اقدامات کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔

بنیادی ڈھانچے کے منصوبے: شام کی تعمیرِ نو پر ایک نظر

ان منصوبوں کے مرکز کے طور پر طرابلس کا انتخاب محض اتفاقی نہیں ہے۔ اس کا گہرا پانی اسے مشرقی بحیرہ روم کی اہم ترین بندرگاہوں میں سے ایک بناتا ہے، جو ایسے بڑے کنٹینر بردار بحری جہازوں کو جگہ فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے جو کسی دوسری بندرگاہ پر لنگر انداز نہیں ہو سکتے۔ یہ بندرگاہ، قریبی قلیعات ایئرپورٹ، عراق کے شہر کرکوک سے آنے والی پائپ لائنوں سے جڑی تیل کی ریفائنری، اور شہر کا بڑا بین الاقوامی نمائشی مرکز، یہ سب مل کر شام سے اپنی قربت کی بنا پر شام کی متوقع تعمیرِ نو، بالخصوص ساحلی علاقوں، حمص اور غاب کے میدان کے لیے ایک مثالی پلیٹ فارم بناتے ہیں۔ مزید برآں، لبنان کے شمالی ساحل کے پانیوں میں گیس کے امید افزا ذخائر موجود ہیں، جو تیل کی کمپنیوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کر رہے ہیں۔ یہ اس بڑے ریلوے منصوبے کے بارے میں بڑھتی ہوئی گفتگو کی بھی وضاحت کرتا ہے جو وسطی یورپ میں برلن سے لبنان کے شہر طرابلس تک، ترکی اور شام کے علاقوں سے گزرتے ہوئے بچھانے کا منصوبہ ہے۔ اس مربوط بنیادی ڈھانچے کا مقصد غیر ملکی سرمایہ کاری اور کمپنیوں، خاص طور پر امریکی کمپنیوں کے لیے راہ ہموار کرنا ہے، تاکہ وہ تعمیرِ نو کے عمل کی اس بے پناہ دولت پر قبضہ کر سکیں جس کی مالی اعانت خلیجی اور مقامی تیل کی آمدنی سے ہونے کی توقع ہے۔ روایتی استعماری طریقوں میں سے ایک 'تباہ کرو اور تعمیر کرو' کی پالیسی ہے، جس کے تحت ملک اور اس کے بنیادی ڈھانچے کو تباہ کیا جاتا ہے، تاکہ طاقتور مالیاتی کارپوریشنوں کو تعمیرِ نو کے ذریعے بھاری منافع سمیٹنے کا موقع مل سکے۔

شاید طرابلس میں قلیعات ایئرپورٹ شروع کرنے کے فیصلے میں جس چیز نے تیزی پیدا کی، وہ ایران نواز 'حزب' کے زیرِ کنٹرول علاقوں کو الگ تھلگ کرنے کا منصوبہ تھا، جہاں لبنان کا واحد فعال ہوائی اڈہ واقع ہے، یہاں تک کہ ایران کی یہ 'حزب' لبنان کے لیے امریکی ماڈل کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

نرم جنگ: اسلامی شناخت کو مٹانا

ان مغربی سرمایہ کاریوں اور مغرب سے طرابلس اور اس کے گردونواح میں آنے والے تاجروں کے لیے سازگار ماحول پیدا کرنے کے لیے، اس شہر کے ثقافتی اور مذہبی کردار کو بدلنا ضروری تھا، جو طویل عرصے سے اپنی دینداری اور امتِ مسلمہ کے مسائل کے ساتھ گہری وابستگی کے لیے جانا جاتا ہے۔ چنانچہ حالیہ برسوں میں، ہم نے شہر کے سماجی ڈھانچے میں سرایت کرنے کی منظم کوششوں کا مشاہدہ کیا ہے۔

ان اقدامات میں سب سے نمایاں 2023 میں طرابلس میں 'عالمی امن اور بقائے باہمی کے لیے انسانی اخوت کی دستاویز' کے ایک ورژن کا اعلان تھا جس پر 2019 میں متحدہ عرب امارات میں شیخ الازہر اور ویٹیکن کے پوپ نے دستخط کیے تھے۔ اسے 'طرابلس کا انسانی اخوت کا اعلامیہ' کا نام دیا گیا، جس کی سرپرستی مشکوک یورپی تنظیموں نے اسی طرح کی مشکوک مقامی تنظیموں کے تعاون سے کی۔ اس اعلامیے کا مقصد شہر کو اس کی اسلامی شناخت سے محروم کرنا اور اس کی جگہ سیکولر مغربی 'انسان پرستی' کو رائج کرنا ہے۔ اس اعلامیے کی تقریب میں ایک ایسا آرکسٹرا پیش کیا گیا جس میں اذان کو چرچ کی دعائیہ خدمات کے ساتھ ملا دیا گیا تھا۔ سب سے تشویشناک بات یہ ہے کہ اس میں صلاح الدین ایوبی کی جگہ ایک 'نیا ہیرو' متعارف کروایا گیا، یعنی مصر کے ایوبی حکمران الکامل کو، جس نے صلاح الدین کی طرف سے القدس کو آزاد کروانے کے بعد اسے دوبارہ صلیبیوں کے حوالے کر دیا تھا۔

مزید برآں، بین الاقوامی تنظیموں، جیسے کہ 'یو این ویمن' (UN Women) کے ذریعے طرابلس کے معاشرے میں سرایت کرنے کی کوششیں تیز کر دی گئی ہیں۔ 'یو این ویمن' نے نسائیت (feminism) اور صنفی نظریات (genderism) کو فروغ دینے کے لیے طرابلس کی میونسپلٹی کے ساتھ تعاون کے ایک معاہدے پر دستخط کیے تھے، لیکن طرابلس کے باشعور اور بیدار مغز اہلِ نظر نے اس معاہدے کو ناکام بنا دیا، الحمدللہ۔

اب یہ واضح ہوتا جا رہا ہے کہ امریکی انتظامیہ مشرقی بحیرہ روم کے مسلمانوں کے ساتھ معاملات میں ایک نئی حکمتِ عملی اختیار کر رہی ہے۔ یہ ادراک ہونے کے بعد کہ براہِ راست جنگ نے صرف مزاحمت کو ہوا دی ہے، اب وہ معاشی بحالی،

سرمایہ کاری اور مالی خوشحالی کے ذریعے خطے کی توجہ ہٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ منصوبہ مسلم نوجوانوں کو روزگار کے مواقع میں الجھائے رکھنے پر مبنی ہے تاکہ ایک ایسا ماحول پیدا کیا جا سکے جہاں مادی آسائشیں انہیں جہاد، اسلامی سیاسی جدوجہد اور ایثار و قربانی کے جذبے سے بیزار کر دیں۔ یقیناً ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ نوجوان مرد و خواتین کو روزگار کے مواقع میسر آئیں جس سے ان کا معیارِ زندگی بلند ہو اور وہ زندگی کے بوجھ اٹھانے کے قابل ہوں، لیکن اصل خطرہ اس نشے اور سراب میں ہے کہ یہ منصوبے کوئی لائف لائن (زندگی بچانے کا ذریعہ) ہیں؛ یہ بھول جانا کہ مغربی سرمایہ دارانہ مشینری اس خطے کو صرف اپنے مفادات کی خاطر ایک محدود اور عارضی حد تک بحال کر رہی ہے، نہ کہ ایک ایسی پائیدار اور آزاد معیشت کی تعمیر کے لیے جو ملک کو معاشی اور سیاسی طور پر مستحکم بنا سکے۔

حاصلِ کلام: شعور دفاع کی پہلی لکیر ہے

اس پورے خطے کے لیے بنے جانے والے ان پیچیدہ جالوں کے درمیان، مسلمانوں کو ایک تاریخی ذمہ داری کا سامنا ہے۔ جغرافیائی سیاسی تبدیلیاں، تقسیم کی کوششیں اور معاشی ترقی کو سیاسی غلامی کے آلے کے طور پر استعمال کرنا، یہ سب اعلیٰ درجے کے شعور کا تقاضا کرتے ہیں۔ آج کی شرعی ذمہ داری ان سازشوں کو بے نقاب کرنا ہے جو ہماری شناخت کو مٹانے کے لیے محلوں، گلیوں، اسکولوں اور اداروں میں سرایت کر رہی ہیں؛ ثقافتی یلغار اور انسانی فطرت کے بگاڑ کی تمام کوششوں کا مقابلہ کرنا ہے؛ اور اسلامی معاشی نظام کی حقیقت اور اس آزاد معاشی پالیسی کے بارے میں شعور بیدار کرنا ہے جو امت کو معاشی، سیاسی اور ثقافتی طور پر مضبوط بناتی ہے۔ ہمارے بحرانوں کا بنیادی حل مشروط غیر ملکی سرمایہ کاری کے ٹکڑوں کے انتظار میں نہیں ہے، بلکہ اس میں ہے کہ امت اپنی آزاد قوتِ فیصلہ دوبارہ حاصل کرے، استعمار کے اثر و رسوخ کو نکال باہر کرے اور اس اسلامی طرزِ زندگی کا دوبارہ آغاز کرے جو ہمیں وقار اور حقیقی معنوں میں ایک آزاد معیشت کی ضمانت دیتا ہے۔

حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کے رکن

اسلامی سرزمینوں سے سیکولرزم کے خاتمے کی ضرورت

تحریر: ڈاکٹر احمد عبد الفاضل–ولایہ سوڈان

(ترجمہ)

سوڈان میں جاری جنگ اور اس کے نتیجے میں بڑھتے ہوئے سیاسی، معاشی اور سیکورٹی مسائل کے پیشِ نظر، ملک کی سیاسی قوتیں اور جماعتیں اس جنگ کو روکنے اور سوڈانی عوام کے لیے نظم ونسق کے حوالے سے ایک مشترکہ سیاسی وژن پر متفق ہونے کے لیے سیکولرزم کو بطور حل تجویز کر رہی ہیں۔ صحافیوں کی ایک بڑی تعداد بھی اس پکار میں شامل ہو چکی ہے اور وہ ایسے مضامین لکھ رہے ہیں جو سیکولرزم کو ایک حل کے طور پر دیکھنے والی ان جماعتوں اور سیاسی قوتوں کے نظریات سے ہم آہنگ ہیں۔ مثال کے طور پر، 24 مئی 2016 کو 'اعلانِ اصول' (Declaration of Principles) کی قوتوں کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی نیروبی کانفرنس نے ایک ایسی سیاسی دستاویز منظور کی جس میں ریاست کو سیکولر بنانے کی شرط رکھی گئی تھی۔ اس دستاویز میں کہا گیا تھا: "ایک ایسی قوم پرست ریاست کی تعمیر جو ایک متحدہ اور جمہوری سوڈانی ریاست قائم کرے، جس کی بنیاد ایک غیر مرکزی وفاقی نظام پر ہو جو مذہب اور ریاست کو ایک دوسرے سے الگ کرتا ہو"۔

حتیٰ کہ 'ریپڈ سپورٹ فورسز' کی متوازی حکومت، جو پورٹ سوڈان میں برہان کی حکومت کے مدِ مقابل کام کر رہی ہے، اس کے وزیر اعظم نے 31 اکتوبر 2015 کو 'الجزیرہ مبشر' کو بیان دیا کہ "ہمارا ہدف ایک سیکولر جمہوری نظام ہے"۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سوڈان کے سابق وزیر اعظم حمدوک، جنہیں برہان نے اقتدار سے الگ کیا تھا اور جو اس وقت بین الاقوامی سطح پر متحرک ہیں، انہوں نے بھی دو مسلح باغی دھڑوں کے ساتھ سیکولرزم کے ایک معاہدے پر دستخط کیے ہیں: ان میں سے ایک دھڑے کی قیادت 'سوڈان لبریشن موومنٹ' کے سربراہ عبد الواحد محمد نور کر رہے ہیں، جبکہ دوسرے دھڑے کی قیادت 'سوڈان پیپلز لبریشن موومنٹ-نارتھ' کے سربراہ عبد العزیز الحلو کر رہے ہیں۔ جنوبی سوڈان کے دارالحکومت جوبا میں 18 مئی 2024 کو منعقدہ ایک کانفرنس میں دستخط کیے گئے اس معاہدے میں ریاست سے مذہب کی علیحدگی اور تمام مذاہب وشناختوں کے حوالے سے غیر جانبداری برقرار رکھنے کے اصول کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ برہان، جو خود ایک سیکولر نظام کے تحت سوڈان پر حکومت کر رہے ہیں، اسلام کو بطور ریاستی مذہب

ترک کر چکے ہیں اور انہوں نے 4 جولائی 2021 کو جوبا میں الحلو کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے، جس میں واضح کیا گیا ہے کہ "ریاست کسی پر کوئی مذہب مسلط نہیں کرے گی اور نہ ہی کسی سرکاری مذہب کو اپنائے گی"۔

تمام سیاسی قوتیں، گروہ اور حکومتیں سیکولرزم کو گلے لگائے ہوئے ہیں اور اس کی وکالت کر رہی ہیں۔ لیکن سیکولرزم درحقیقت کیا ہے؟ یہ قوتیں اسے حکمرانی اور سیاست کے لیے موزوں کیوں سمجھتی ہیں؟ سیکولرزم کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟ اور ہم اسلام کو کس طرح مکمل طور پر جڑ سے اکھاڑ کر گمنامی کے اندھیروں میں دھکیل سکتے ہیں، یا خود اس کے پیروکار کس طرح بغیر کسی پچھتاوے کے اسلام کو ترک کر دیتے ہیں؟

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ سیکولرزم کی بنیاد یورپ میں پڑی۔ چرچ اور مفکرین و فلسفیوں کے درمیان جاری رہنے والی کشمکش کے نتیجے میں یورپی اقوام نے ان بادشاہوں اور چرچ کے اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی، جو زمین پر خدا کا سایہ ہونے کے دعویدار تھے۔ اہل فرانس نے اپنے انقلاب کے دوران یہ نعرہ بلند کیا تھا کہ: "انسان اس وقت تک کبھی آزاد نہیں ہو سکے گا جب تک آخری بادشاہ کا گلا آخری پادری کی انتڑیوں سے نہ گھونٹ دیا جائے!"۔ آخر کار ایک سمجھوتہ طے پایا جس میں دنیاوی طاقت کو روحانی طاقت سے الگ کر دیا گیا اور چرچ کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں مذہب کو زندگی سے الگ کر دیا گیا، اور یوں وہ ریاست اور سیاست سے بھی جدا ہو گیا۔ مذہب کو صرف انسان اور اس کے خالق کے مابین تعلق تک محدود کر دیا گیا، اور زندگی، ریاست اور معاشرے کے معاملات چلانے میں خالق کا کوئی کردار باقی نہ رہا۔ یورپی ممالک نے مذہب کی زندگی سے علیحدگی کو اپنا عقیدہ بنالیا، جو کہ سرمایہ دارانہ نظام کا عقیدہ ہے، اور پھر وہ اس نظریے کو لے کر اسلامی ممالک میں پہنچے۔ انہوں نے اس نظریے کو اس وقت متعارف کروایا جب ان یورپی ممالک نے اسلامی سرزمینوں پر یلغار کی۔ برطانیہ نے مصر پر قبضہ کیا اور وہاں اسلامی طرزِ حکمرانی کے بچے کھچے اثرات کو مٹا دیا۔ وہ ترکی میں داخل ہوئے اور خلافت کو ختم کرنے کے بعد اسے ایک سیکولر ریاست میں تبدیل کر دیا۔ وہ سوڈان آئے، اپنے قوانین اور نظام مسلط کیے، اور ایسی حکومتیں قائم کیں جن کا نظم ونسق اسی سیکولرزم کے تابع تھا۔ انہوں نے ایسے گروہ پیدا کیے جو اپنی ذہنی غلامی کی وجہ سے سیاسی اور معاشی مسائل کا حل سیکولرزم کے سوا کسی اور چیز میں نہیں دیکھتے اور وہ ان کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹنے کی سکت نہیں رکھتے۔ اسی وجہ سے آج سیکولرزم کی ان پکار میں شدت آ گئی ہے۔ آج کل علاقائی اور بین الاقوامی کانفرنسوں کے ذریعے سیکولرزم کو فروغ دیا جا رہا ہے تا کہ امت مسلمہ میں ابھرتی ہوئی بیداری کی راہ روکی جا سکے، اور انہیں اس دھوکے میں مبتلا کیا جائے کہ جنگوں کا خاتمہ اور امن و استحکام کا حصول صرف اسے اپنانے سے ہی ممکن ہے!

تاہم، اسلام سیکولرزم کو کفر کا عقیدہ قرار دیتا ہے۔ دین زندگی سے الگ نہیں بلکہ اس میں پیوست ہے، اور ریاست کو دین سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام ایک مکمل دین ہے، جس سے ریاست جنم لیتی ہے، اور سیاست اس کا لازمی حصہ ہے۔ اسلام میں جماعتوں کی سیاسی سرگرمیاں اسلام کی رہنمائی میں ہوتی ہیں، اور مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ گروہ یا جماعتیں بنائیں، بشرطیکہ ان کی بنیاد اسلام ہو۔ اسلامی عقیدہ ہی ریاست کی بنیاد ہے، اور ریاست کے ڈھانچے یا احتساب کے عمل میں کوئی بھی چیز اسلام کی بنیاد کے بغیر وجود نہیں رکھ سکتی۔ جماعتوں کے تعلقات صرف داخلی امور تک محدود ہوتے ہیں، اور ریاست کسی بھی گروہ کے کسی غیر ملکی ادارے کے ساتھ تعلق کو ممنوع قرار دیتی ہے۔ ایسی کسی بھی غیر ملکی کانفرنس، سیاسی ملاقات یا ایسی سیاسی دستاویز پر دستخط کرنے کی کوئی گنجائش نہیں جو ریاست کی سالمیت کے لیے خطرہ ہو، اور نہ ہی کوئی گروہ کسی غیر شرعی نظریے کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ شریعت میں تمام سیکولر نظریات ممنوع ہیں، جیسے کہ جمہوریت، نام نہاد آزادی، عوامی حاکمیت، عوامی حکمرانی، عوام کو اقتدار کا سرچشمہ قرار دینا، وفاقیت اور اس طرح کے دیگر نظریات۔ صرف انہی اسلامی افکار کی دعوت دی جاتی ہے جو شرعی دلائل پر مبنی ہوں، اور ان کی تبلیغ خالص اور بے آمیز صورت میں کی جاتی ہے، جس پر کسی غیر اسلامی نظریے کا اثر نہ ہو۔ اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اور کفر کو مسترد کیا جاتا ہے۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ان دنوں سیکولرزم کی یہ پکار اتنی شدید کیوں ہو گئی ہے، کیوں لکھاریوں کی خدمات حاصل کی جا رہی ہیں اور سیاسی جماعتوں کو متحرک کیا جا رہا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار کا ایک سیاسی مقصد ہے۔ وہ بعض اسلامی ممالک کے آئین میں موجود ان دفعات کو ختم کرنے کے لیے کوشاں ہیں جو اسلام کو ریاست کے سرکاری مذہب کے طور پر ظاہر کرتی ہیں، یا یہ بتاتی ہیں کہ شریعت قانون سازی کا ایک ماخذ ہے۔ کفار ایک ایسا خالص سیکولر آئین اور قوانین چاہتے ہیں جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہو۔ وہ نکاح، طلاق، خلع اور بچوں کی پرورش (حضانت) کے معاملات میں مرد و عورت کے تعلق سے متعلق باقی ماندہ شرعی احکامات کو بھی ختم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ ان معاملات کو "خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کے خاتمے کے کنونشن" (سیڈا-CEDAW) کے تحت لایا جا سکے۔ اس طرح، سیکولرزم کے سائے میں مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے شادی کر سکیں گی، اور نکاح ایک مذہبی بندھن کے بجائے محض ایک سول (شہری) معاہدہ بن کر رہ جائے گا، وغیرہ۔ کافر تو عیدین اور دیگر مخصوص مواقع پر اجتماعی مذہبی رسومات کو بھی ختم کرنے کے درپے ہے۔

سیکولرزم کی اس پکار کا مقابلہ فکری کشمکش اور سیاسی طور پر بے نقاب کرنے کے ذریعے کیا جانا چاہیے۔ جہاں تک فکری کشمکش کا تعلق ہے، ہمیں ان سیکولر افکار کے باطل ہونے کو واضح کرنا ہو گا، چاہے وہ پہلی نظر میں ایسے روشن خیال افکار کیوں نہ معلوم ہوں جو عدل اور مساوات کی پکار لگاتے ہیں، جن سے ہماری امت جبر اور طاقت کے ذریعے مسلط کردہ حکمرانی کے نتیجے میں محروم ہے، جس کی وجہ سے وہاں نہ آزادی ہے اور نہ جمہوریت۔ اسلامی فکر کی طاقت، اس کے طریقہ کار کے ساتھ مل کر، تمام باطل افکار کو شکست دینے اور ان کی حقیقت آشکار کرنے کے لیے کافی ہے۔

جہاں تک سیاسی جدوجہد کا تعلق ہے، یہ جماعتیں، تحریکیں اور گروہ کفار کو گلے لگا کر امت کے ساتھ بے وفائی کر رہے ہیں۔ یہ جذباتی اور فکری طور پر امت سے کٹ چکے ہیں اور انہیں صرف اقتدار پر قبضے اور اپنے آقاؤں کی خدمت کی فکر ہے۔

جہاں تک اسلامی نظام کا تعلق ہے، تو یہی وہ واحد صحیح حل ہے جسے گروہوں کو اپنانا چاہیے اور فکری کشمکش و سیاسی جدوجہد کے ذریعے، کفار کے منصوبوں کو بے نقاب کرتے ہوئے اور امت کے مفادات کو اپنا کر اسے اقتدار میں لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کفار ہی امت کی تکالیف کی اصل جڑ ہیں، جن میں جنگیں، غربت، بیماری، عدم تحفظ اور خوراک و ادویات کی قلت شامل ہے۔ لہٰذا، اسلامی طرزِ زندگی کی بحالی کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، جس کے لیے امت کے اندر پہلے سے ہی وسیع عوامی رائے اور بے مثال بیداری موجود ہے۔ یہیں سے اسلامی ممالک کی افواج کا کردار شروع ہوتا ہے، جنہیں واضح طور پر پکارا جاتا ہے کہ وہ اس فکر کی 'نصرۃ' (عسکری مدد) کریں اور اسے اقتدار میں لائیں۔ کوئی بھی نظریہ اسے پشت پناہی دینے والی قوت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ سیکولر جماعتیں اقتدار پر قبضے کے لیے امت کے بجائے کفار پر بھروسہ کرتی ہیں۔

جہاں تک مخلص اور بیدار مغز 'حزب' کا تعلق ہے، تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بعد مسلح افواج میں موجود امت کے بیٹوں پر بھروسہ کرتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے رسول اللہ ﷺ نے انصار (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ کیا تھا، اور یوں آپ ﷺ نے ریاست قائم کی، عدل پھیلایا، ظلم کا خاتمہ کیا اور امت کو معزز بنایا۔

خلافت ہی وہ ریاست ہے جو حقیقی معنوں میں امت کی نمائندگی کرتی ہے

خلافت وہ واحد ریاست ہے جو صحیح معنوں میں امت کی ترجمان ہے کیونکہ یہ امت کے عقیدے پر قائم ہوتی ہے اور اسی کی علمبردار ہے۔ خلیفہ امت کی اکثریت کی 'بیعت' کے ذریعے زمامِ اقتدار سنبھالتا ہے۔ جمہوری نظام کے برعکس، نہ تو مجلسِ امت اور نہ ہی مجلسِ ولایہ کے پاس قانون سازی کا اختیار ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بااثر اشرافیہ قانون سازی کے لبادے میں بدعنوانی کو قانونی تحفظ نہیں دے سکتی۔ اس سے ان لوگوں کی قانون ساز اداروں پر ہر قیمت پر قبضے کی ہوس کم ہو جاتی ہے اور انتخابات میں لٹائے گئے اربوں روپے واپس وصول کرنے کا مقصد بھی ختم ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً، حقیقی نمائندگی کو تقویت ملتی ہے اور ایسے مخلص لوگوں کے ابھرنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں جو عوام کے معاملات کی بے لوث فکر کرتے ہوں۔

خلیفہ اسلامی شریعت کو نافذ کرتا ہے اور اس کے نفاذ اور عوامی معاملات کے حل میں لوگوں سے مشاورت کرتا ہے۔ اسلام پولیس اسٹیٹ (جابرانہ نظام) کے طرزِ حکمرانی سے سختی سے منع کرتا ہے۔ اس طرح، خلافت ایک ایسی ریاست ہے جو امت کے معاملات کی نگہبان اور ذمہ دار (رعایتہ) ہے۔ اسلام میں سیاست کا اصل مفہوم ہی شرعی احکام کے مطابق عوام کے معاملات کی نگہبانی کرنا ہے۔ لہٰذا، امت کے تمام دکھوں کا حقیقی حل صرف اور صرف خلافت کے قیام میں ہے، اور یہی وہ عظیم مقصد ہے جس کے لیے جدوجہد ہونی چاہیے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ "تمہارے رب کی قسم! یہ تب تک سچے مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں (اے نبی ﷺ) اپنا منصف تسلیم نہ کر لیں، پھر تمہارے فیصلے پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے پوری شرحِ صدر کے ساتھ تسلیم کر لیں۔" (سورۃ النساء: 65)

اسلامی معاشی نظام دوسروں پر انحصار سے پاک ہے اور پوری دنیا سے کٹا ہوا نہیں ہے

وہ ریاستیں جو اپنے منصوبوں کی مالی اعانت کے لیے سود (ربا) پر انحصار کرتی ہیں، وہ ایسی ناکام ریاستیں ہیں جو ایک لامتناہی شیطانی چکر میں جکڑی ہوئی ہیں۔ وہ پرانے قرضوں کو اتارنے کے لیے نئے قرض لیتی ہیں، سود کی ادائیگی کے لیے عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ لادتی ہیں، اور قرض دہندگان کو مطمئن کرنے کے لیے عوامی سہولیات کا گلا گھونٹتی ہیں۔ اس طرح معیشت لوگوں کی فلاح کے بجائے انہیں مفلس بنانے کا آلہ بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس، اسلام میں ریاست اپنے اخراجات کا انتظام حقیقی ذرائع سے کرتی ہے، شرعی احکام کے مطابق دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بناتی ہے، اجارہ داریوں کا خاتمہ کرتی ہے اور بازاروں کو بے لگام چھوڑے بغیر ان کی تنظیم کرتی ہے۔

اسلام کا معاشی نظام دنیا سے کٹ کر رہنے کا نام نہیں بلکہ یہ دوسروں کی غلامی سے نجات کا نام ہے۔ اسلامی ریاست تجارت کرتی ہے، عالمی معاہدے کرتی ہے، درآمدات وبرآمدات میں حصہ لیتی ہے، لیکن وہ مالیاتی محکومی کا شکار نہیں ہوتی جو اسے اپنی پالیسیاں بدلنے پر مجبور کر دے۔ معاشی فیصلے اسلامی عقیدے سے پھوٹتے ہیں اور امت کے ان مفادات کی نگہبانی کرتے ہیں جنہیں شریعت نے متعین کیا ہے، نہ کہ وہ بین الاقوامی اداروں کی ڈکٹیشن کے پابند ہوتے ہیں۔

امت اس وقت بیدار ہوتی ہے جب وہ اپنا سیاسی شعور دوبارہ حاصل کرلے

آج مسلمانوں کی زبوں حالی صلیبیوں اور تاتاریوں کے عہد سے بھی زیادہ سنگین نظر آتی ہے۔ ایک واحد قوت کے بجائے، ہم درجنوں بکھری ہوئی کمزور ریاستوں میں بٹے ہوئے ہیں جو مغرب کی محتاج اور اس کے گماشتوں کے زیرِ نگیں ہیں، جن کی اپنی الگ پالیسیاں، اتحاد اور سرحدیں ہیں۔ یہ بکھراؤ بیرونی دشمنوں کو ہر خطے سے الگ الگ نمٹنے کا موقع دیتا ہے اور ایک متحد سیاسی ارادے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ تاریخ کا وہی سبق دوبارہ دہرایا جارہا ہے: سیاسی انتشار اور بکھراؤ امت کے دشمنوں کے لیے غلبے کا چور دروازہ ہے۔

ان المناک حادثات کے بعد امت تبھی اٹھی جب اس نے اپنا سیاسی شعور دوبارہ بیدار کیا اور ایمان کو عمل کے ساتھ، اور عقیدے کو ریاست کے ساتھ مربوط کیا۔ فتح محض جذباتی تقریروں کا صلہ نہیں تھی، بلکہ اسلام کی بنیاد پر اقتدار کی از سرِ نو تشکیل اور ایک ہی جھنڈے تلے صف بندی کا ثمر تھی۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے آج سمجھنے کی ضرورت ہے: کہ بیداری کا عمل صرف ردِ عمل سے شروع نہیں ہوتا، بلکہ اسلام کی بنیاد پر حکمرانی کے ایک واضح منصوبے سے شروع ہوتا ہے جس میں حاکمیت صرف شریعتِ الٰہیہ کی ہو، اختیار امت کے پاس ہو، اور پوری امت کو ایک ہی قیادت کے تحت متحد کیا جائے۔

صلیبی جنگیں اور تاتاری یلغار ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ امت بیمار تو ہو سکتی ہے، لیکن وہ مرتی نہیں بشرطیکہ وہ اپنی درست سیاسی بنیادوں کی طرف لوٹ آئے۔ لیکن اگر امت اسی طرح تقسیم رہی اور نظامِ حکومت کو اسلام سے الگ رکھا گیا، تو وہ کمزوری کے انہی اسباب کا شکار رہے گی۔ بغداد کے زوال اور القدس کی آزادی کے درمیانی وقفے میں ایک گہرا سیاسی شعور پوشیدہ ہے۔ صرف اسی شعور کی بدولت امت اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتی ہے، حالات کے رحم و کرم پر ایک مظلوم کے طور پر نہیں، بلکہ ایک آفاقی پیغام کی حامل امت کے طور پر، جس کے پاس پوری دنیا کے لیے ایک عظیم تہذیبی منصوبہ ہے۔

کرغزستان میں بڑھتا ہوا چینی اثر و رسوخ

تحریر: استاد ہارون عبدالحق

(ترجمہ)

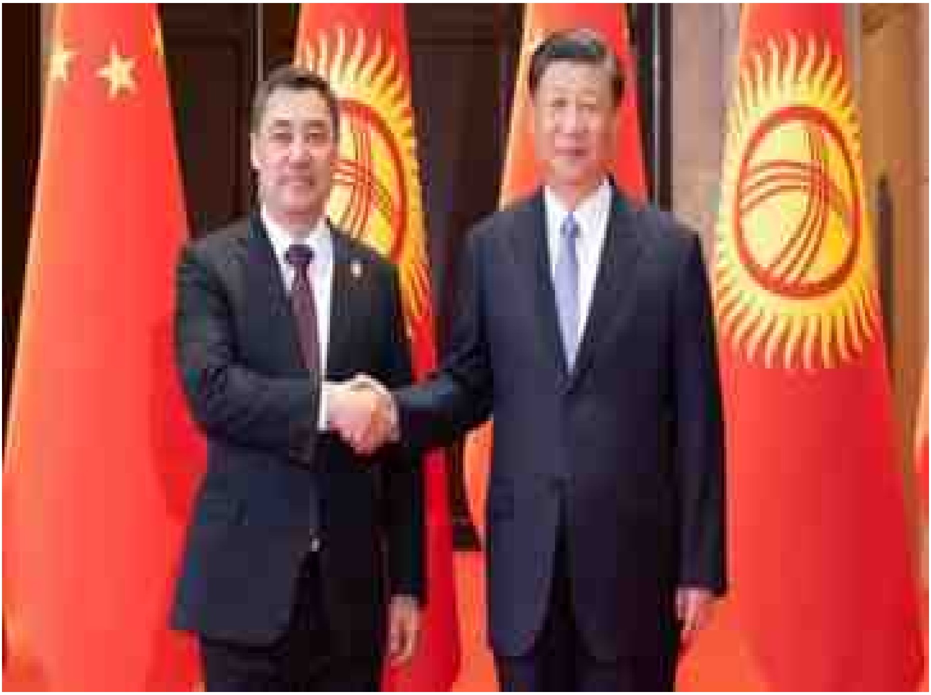

تیزی سے بدلتے ہوئے جغرافیائی سیاسی منظر نامے کے تناظر میں، کرغزستان میں چینی اثر و رسوخ میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ شروع میں اپنے معاشی اثر و رسوخ کو مضبوط کرنے کے بعد، اب چین اپنی سیاسی اور فوجی طاقت کو بھی مزید تقویت دے رہا ہے۔ اس کی وجہ ملک کی معیشت میں چین کا بے مثال حصہ ہے۔ واضح رہے کہ چین سیاسی اور فوجی تعاون کے ذریعے کرغزستان میں اپنے معاشی مفادات کے تحفظ کی کوشش کر رہا ہے۔

اس بڑھتے ہوئے اثرورسوخ کا ایک اشارہ ملک کے قرضوں کا حجم ہے۔ کرغزستان کا سرکاری قرضہ تقریباً 10 بلین ڈالر تک پہنچ گیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ گزشتہ پانچ سالوں میں اس میں دوگنا اضافہ ہوا ہے۔ اس قرض میں سے 1.5 بلین ڈالر چین کے واجب الادا ہیں، جو ملک کے بیرونی قرضوں کا سب سے بڑا حصہ ہے۔

چینی کسٹمز کے اعداد و شمار کے مطابق، 2025 میں دونوں ممالک کے درمیان دوطرفہ تجارت 27.2 بلین ڈالر تک پہنچ گئی۔ اس حجم کا زیادہ تر حصہ چین سے ہونے والی درآمدات پر مشتمل ہے۔ تجارت کے اس بھاری حجم نے چین کو کرغزستان کا سب سے بڑا تجارتی شراکت دار بنا دیا ہے۔ 2025 کے پہلے نو ماہ کے دوران، کرغزستان میں چین کی براہ راست سرمایہ کاری 282.3 ملین ڈالر تک پہنچ گئی، جس سے چین ملک میں سب سے بڑا سرمایہ کار بن گیا۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ چینی سرمایہ کاری اور قرضے مخصوص شرائط کے ساتھ آتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر چین کرغزستان میں کسی منصوبے کا آغاز کرتا ہے یا سرمایہ کاری کرتا ہے، تو وہ چھوٹے سے چھوٹے پیچ (screw) تک تمام ضروری آلات چین سے ہی درآمد کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، مقامی مارکیٹ سے ایک پیچ تک نہیں خریدا جاتا!

مزید برآں، چین اپنے شروع کردہ منصوبوں اور سرمایہ کاری پر کام کرنے کے لیے اپنے ہی شہری لاتا ہے۔ چین کے زیادہ تر قرضے اسی ماڈل پر کام کرتے ہیں: ملک کسی خاص منصوبے کی تکمیل کے لیے چین سے قرض لیتا ہے، اور پھر ایک چینی کمپنی اس منصوبے کا ذمہ اٹھاتی ہے۔ قرض کی رقم چینی کمپنی کو چلی جاتی ہے، اور چینی کارکن منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بڑی تعداد میں ملک کا رخ کرتے ہیں۔

اپنی خاموش اور بتدریج حکمتِ عملی کے ذریعے، چین ہمارے ملک کی معیشت کے اہم شعبوں پر کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ان معاشی مفادات کا تحفظ اور مستقبل میں ان کی ترقی کو یقینی بنانا اب اس کی ترجیحات میں شامل ہو چکا ہے۔ فطری طور پر، یہی حقیقت کرغزستان اور چین کے درمیان معاشی تعلقات کو ایک سیاسی اور فوجی فریم ورک میں تبدیل کرنے کا باعث بن رہی ہے۔

اس تبدیلی کے ابتدائی آثار پہلے ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ 19 مئی کو، چین کے وزیر برائے پبلک سیکیورٹی وانگ ژیاؤہونگ نے ہمارے ملک کا دورہ کیا اور وزیرِ داخلہ سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کے دوران دونوں فریقین نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے درمیان کرغز- چینی تعاون پر تبادلہ خیال کیا۔

20 مئی کو وانگ ژیاؤہونگ نے اسٹیٹ نیشنل سیکیورٹی کمیشن کے چیئرمین سے ملاقات کی، جنھوں نے ملک کے اندر چینی سرمایہ کاروں کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لیے کمیشن کی آمادگی کا اعلان کیا۔ یہ ملاقاتیں واضح طور پر اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہیں۔ حکام چین کے لیے تمام دروازے کھولنے کو تیار ہیں۔ بدلے میں، چین اپنی سرمایہ کاری میں مزید اضافے کی تیاری کر رہا ہے۔ فطری طور پر، ان سرمایہ کاریوں کے ساتھ ساتھ چینی شہریوں کی بڑی تعداد میں آمد بھی متوقع ہے۔

یہ کوئی اتفاق نہیں ہے کہ حکام نے ملک میں کام کرنے کی اجازت پانے والے غیر ملکی کارکنوں کا کوٹہ 50,000 سے بڑھا کر 100,000 کر دیا ہے۔ 25 اپریل کو، وزراء کی کابینہ نے ایک قرارداد منظور کی جس میں چینی کارکنوں کے ملک میں داخلے کو آسان بنایا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں، معاشرے میں بے چینی اور غصے کا بڑھنا فطری ہے، اور بعض تنازعات بھی پھوٹ پڑے ہیں۔ اس صورتحال کو روکنے کے لیے، اور خاص طور پر چینی معاشی مفادات اور چینی کارکنوں کے تحفظ کے لیے، دونوں ممالک کے سیکیورٹی اداروں کے درمیان تعاون قائم کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

اس کے علاوہ، حکام ملک میں چینی نمائشیں شروع کر کے، یونیورسٹیوں میں چینی علوم (Chinese studies) کے شعبے قائم کر کے، اور چینی ثقافت کو فروغ دینے کے لیے مسلسل تقریبات منعقد کر کے چین کے امیج کو بہتر بنانے پر کام کر رہے ہیں۔ ایسی ہی ایک تقریب میں ایک سرکاری نمائندے نے کہا کہ "کرغز-چینی تعلقات تین ہزار سال پر محیط تاریخ رکھتے ہیں"۔ یہ ہمارے عوام اور چینیوں کو بھائیوں کے طور پر پیش کرنے کی ایک کوشش کی نشاندہی کرتا ہے، باوجود اس کے کہ ان کے درمیان قطعی طور پر کوئی تعلق یا مشترکہ خصوصیات موجود نہیں ہیں۔

مزید برآں، جب بھی چینیوں کے خلاف عوامی غصے کے آثار نمایاں ہونا شروع ہوتے ہیں، حکومتی ترجمان عوام کو پرسکون کرنے اور ردعمل کو روکنے کے لیے فوری متحرک ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، جب ایسی ویڈیوز گردش کرنے لگیں جن میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ "چینی بہت زیادہ ہو گئے ہیں" یا "چینیوں نے ملک پر قبضہ کر لیا ہے،" تو صدارتی انفارمیشن پالیسی ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین نے ایک بیان جاری کیا جس میں ان ویڈیوز کو فتنہ انگیز اور غلط معلومات پھیلانے والا قرار دے کر ان کی مذمت کی۔

مزید برآں، قومی قرضوں سے متعلق معلومات پہلے عوامی سطح پر دستیاب ہوا کرتی تھیں۔ تاہم، اب صرف کل قومی قرضے کو ظاہر کیا جاتا ہے، جبکہ ہر انفرادی فریق یا ادارے کے واجب الادا قرض کی رقم نہیں بتائی جاتی۔ اس سے قبل

ملک کے بیرونی قرضوں کا سب سے بڑا حصہ چین کا تھا، مگر اب نئی پالیسی کے تحت چین کے واجب الادا قومی قرضے کا حجم عوام پر ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ اس اقدام کا مقصد آبادی میں چین مخالف جذبات کے پھیلاؤ کو روکنا ہے۔ یہ توقع بھی کی جارہی ہے کہ حکومت مستقبل میں چین سے مزید قرضے حاصل کرے گی۔

چنانچہ حکومت کا یہ ماننا ہے کہ ملک کی "ترقی" کے لیے چین کو تمام مواقع فراہم کرنا جی ڈی پی میں اضافے اور "ترقی" کا باعث بنے گا۔ تاہم، حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ کاری اور قرضے ان میکانزم (ذرائع) میں سے ایک ہیں جنہیں استعماری طاقتیں دوسرے ممالک کی دولت لوٹنے، ان کے سرمائے کا صفایا کرنے اور اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

علاوہ ازیں، چین کے ساتھ تعاون ملک میں چینی باشندوں کی بڑھتی ہوئی آمد کا راستہ کھولتا ہے۔ مگر حکام اس نام نہاد "ترقی" کے فریب میں مبتلا ہو کر ملک کے مستقبل کو ایک بند گلی کی طرف دھکیل رہے ہیں۔

جیسا کہ ایک سرکاری نمائندے نے کہا کہ "کرغز- چینی تعلقات کی تاریخ تین ہزار سال پر محیط ہے۔" یقیناً ہمارے آباؤ اجداد چین سے نمٹنا جانتے تھے، اسی لیے چین آج تک ہماری سرزمین کو فتح کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اگر ہم ان کے نقشِ قدم پر چلیں اور ان کی تنبیہات پر کان دھریں، تو ہم انتہائی احتیاط کے ساتھ چین کا سامنا کرنے اور اس کے اثر ورسوخ کے پھیلاؤ کو روکنے کے قابل ہو سکیں گے۔

یہاں ہمیں عوامی شاعر کالی گل بائیولو (Kaligulbayulu) کے الفاظ یاد آتے ہیں: "وہ آہستہ سے سرک کر تمہاری آغوش میں آتا ہے، اور پھر تمہاری گردن میں اپنا پھندا ڈال دیتا ہے۔ اے میری قوم! دھوکہ نہ کھانا، چین کی عیاری اور مکاری سے فریب نہ کھانا۔"

لہٰذا، حکام کو چاہیے کہ وہ عوام کی آواز سنیں اور ان پالیسیوں کو بند کریں جو ملک کو چین کا زیرِ بار اور محتاج بنانے کی طرف لے جارہی ہیں۔

جنگ بھڑکانے کے بارہ سال بعد: استعمار یمن کے عوام کا خون بہانا کب بند کرے گا؟

تحریر: انجینئر شفیق خامس–ولایہ یمن

(ترجمہ)

بدھ، 10 جون 2026 کو، یمن کے لیے اقوامِ متحدہ کے خصوصی ایلچی، ہانس گرنڈبرگ کے دفتر نے عمان میں ہونے والے ایک اجلاس کے حوالے سے ایک بیان جاری کیا۔ اس اجلاس میں ملٹری کوآرڈینیشن کمیٹی کے نمائندوں نے شرکت کی، جس میں یمنی حکومت اور سعودی قیادت میں قائم اس اتحاد کی جوائنٹ فورسز کمانڈ شامل تھی جو یمن میں "قانونی حکومت" کی حمایت کر رہا ہے۔

کوآرڈینیشن کمیٹی کے یہ اجلاس، جو وقتاً فوقتاً منعقد ہوتے ہیں، اتوار، 7 جون 2026 کو شروع ہوئے اور بدھ، 10 جون 2026 تک جاری رہے۔ ان میں شائع الزندانی کی وزارت اور ریاض، جو یمن پر مسلط کردہ جنگ کا کمانڈر ہے، کے نمائندے شامل تھے۔ ریاض کا مقصد حوثیوں کو اقتدار سے بے دخل کرنا نہیں تھا، جیسا کہ اس نے دعویٰ کیا تھا، بلکہ اس کے بجائے جنوبی اور مشرقی علاقوں اور مغربی ساحل کے ساتھ ان کی مخالفت کرنے والی فوجی فارمیشنوں کو تباہ کر کے ان کی حکمرانی کو مستحکم کرنا تھا۔ یہ وہ قوتیں ہیں جو زیادہ تر برطانیہ کے زیرِ اثر متحدہ عرب امارات (UAE) سے وابستہ ہیں۔

یہ کمیٹی مئی 2022 میں اقوامِ متحدہ کی سرپرستی میں جنگ بندی کی نگرانی کرنے، حکومتی افواج اور حوثیوں کے درمیان صلح کو مستحکم کرنے اور تنازع کے خاتمے کے لیے سیاسی تصفیے کی کوششوں کو آگے بڑھانے کے لیے قائم کی گئی تھی۔ اس کمیٹی میں یمنی حکومت، حوثی گروپ، اور "قانونی حکومت" کی حمایت کرنے والے اتحاد کی کمانڈ کے فوجی نمائندے شامل ہیں۔ اپریل 2022 میں اقوامِ متحدہ کی ثالثی میں ہونے والی جنگ بندی کے اعلان کے بعد، یہ کمیٹی یمن کے مسلح تصادم کے دونوں فریقوں کی شرکت کے ساتھ، اقوامِ متحدہ کے خصوصی ایلچی کے دفتر کی نگرانی میں وقفے وقفے سے ملاقاتیں کرتی ہے۔ حوثی، جنہیں گرنڈبرگ نے 21 اپریل 2026 کو ریاض کے نمائندوں کے ساتھ اسی طرح کے ایک اجلاس کے لیے عمان میں جمع کیا تھا، خاموش رہے۔ انہوں نے بدھ، 10 جون 2026 کو گرنڈبرگ کی جانب سے جاری کردہ اس بیان کا کوئی جواب نہیں دیا جس میں انہوں نے تاریخ بتائے بغیر تینوں فریقوں کے اجلاس کی دعوت دی تھی۔

عمان کا یہ اجلاس پیر، 8 جون 2026 کو حوثیوں کی جانب سے مقبوضہ فلسطین کی طرف میزائلوں اور ڈرونز داغے جانے کے وقت کے ساتھ ہم آہنگ تھا۔ اس سے قبل، اتوار 29 مارچ 2026 کو، حوثیوں کے ترجمان یحییٰ سریع کی جانب سے گزشتہ روز ایران کی حمایت میں جنگ میں شامل ہونے کے اعلان کے بعد، گرنڈبرگ نے ایک بیان جاری کیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ اس تنازعے میں حوثیوں کی شمولیت یمن میں تنازع کے حل کو پیچیدہ بنا دے گی، اس کے معاشی اثرات کو گہرا کرے گی اور عام شہریوں کی تکالیف کو طول دے گی۔ عمان میں چار روزہ اجلاسوں کے دوران جن موضوعات پر بات چیت کی گئی ان میں جنگ بندی، بحری سلامتی اور کشیدگی کم کرنے کے اقدامات شامل تھے۔

اگرچہ اقوامِ متحدہ کے ایلچی پچھلے 12 سالوں سے حوثیوں کے سامنے بین الاقوامی قانونی حیثیت کی "گاجر" لٹکا رہے ہیں، جو کہ وہ مقام ہے جس کی یہ گروپ شدت سے تمنا رکھتا ہے، تاہم گرنڈبرگ نے اس بات پر زور دیا کہ ملٹری کوآرڈینیشن کمیٹی اور دیگر ذرائع سے سنجیدہ مکالمہ برقرار رکھنا یمن میں پائیدار امن کی جانب پیش رفت کے لیے ہماری وسیع تر

کوششوں کو ٹھوس مدد فراہم کر سکتا ہے۔ یہ ملاقات عدن اور جنوبی صوبوں میں جاری تبدیلیوں کے دوران ہو رہی ہے، خاص طور پر مختلف پس منظر اور ساخت کی فوجی فارمیشنوں کو متحد کرنے کے لیے فوج کی تنظیمِ نو، اور "ہوم لینڈ شیلڈ فورسز" کے اقدام کے تحت فوجی اور سیکورٹی قیادت کی تبدیلی۔ ریاض اس اقدام کی قیادت کر رہا ہے، جس کی سربراہی اس کی وزارتِ دفاع کے مشیر فلاح الشہرانی کر رہے ہیں، تاکہ اپنے آقا امریکہ کی خدمت کی جا سکے اور الزندانی حکومت کے زیرِ کنٹرول علاقوں میں برطانوی ایجنٹوں کا خاتمہ کیا جا سکے۔

یہ صورتحال قتل و غارت گری کی لہر کے دوبارہ سر اٹھانے کے ساتھ بھی مطابقت رکھتی ہے جو بدھ، 3 جون 2026 کی شام کو صوبہ حضر موت کے شہر سیئون میں انٹیلی جنس افسر کرنل لافی احمد سالم بن جعفر العمری کے قتل سے شروع ہوئی تھی۔ اس کے بعد جمعرات، 4 جون 2026 کو مکلا میں "آٹھ رکنی کونسل" کے رکن اور حضر موت کے گورنر سالم احمد الخنبشی کے ہیڈ کوارٹر پر نامعلوم سمت سے آنے والے تین ڈرونز کے ذریعے حملہ کیا گیا۔ اس کے بعد، ہفتہ، 6 جون 2026 کو صوبہ الحدیدہ کے علاقے الخوخہ میں فرسٹ ڈویژن کے کمانڈر بریگیڈیئر جنرل یحییٰ وحیش کو ان کے قافلے کو نشانہ بنانے والے ایک دھماکہ خیز آلے کے ذریعے شہید کر دیا گیا۔ اتوار، 7 جون 2026 کو مکلا کے سابق سیکورٹی چیف کے بیٹے محمد احمد الحمدی کو مکلا میں قتل کر دیا گیا، جس کے بعد پیر، 8 جون 2026 کو صوبہ ابیان کے علاقے مودیہ میں سیکورٹی افسر عدلی محروق کو قتل کیا گیا۔ قتل و غارت کا یہ سلسلہ جمعہ کے ایک دن کے وقفے کے ساتھ مسلسل پانچ دنوں تک جاری رہا۔

تشدد کی یہ لہر بدھ، 10 جون 2026 کو عدن میں جائنٹس بریگیڈز سے وابستہ السلبان کیمپ میں ہونے والے ایک دھماکے کے ساتھ جاری رہی، جس میں ابتدائی اعداد و شمار کے مطابق 12 افراد جاں بحق اور 9 دیگر زخمی ہوئے۔ یہ سب کچھ انتہائی ابتر اندرونی حالات کے درمیان ہو رہا ہے: صنعاء اور عدن دونوں جگہوں پر سرکاری شعبے کی تنخواہوں کی معطلی، صنعاء میں پٹرول میں ملاوٹ، عدن میں ڈیزل کی بڑھتی ہوئی قیمتیں اور بنیادی خدمات، جن میں سرفہرست بجلی ہے، کی بدترین صورتحال۔

یہ صورتحال عالمِ اسلام کے قلب میں فوجی تناؤ کے ساتھ ہم آہنگ ہے، جس کی وجہ 28 فروری 2026 سے ایران کے خلاف امریکہ کی قیادت میں فوجی کارروائی اور ناکہ بندی ہے، جسے اس کے مہرے، یہودی وجود کی حمایت حاصل ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ آبنائے ہرمز کی بندش بھی ہے۔ اس کا بیان کردہ بہانہ ایران کو ایٹمی ہتھیاروں کے حصول سے روکنا

ہے۔ یہ ایک ایسا منظر نامہ ہے جو افغانستان اور عراق پر امریکی قبضے کی یاد دلاتا ہے، جس کا جواز بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے قبضے کو روکنے کی ضرورت بتا کر دیا گیا تھا۔ دریں اثنا، اقوامِ متحدہ کے ایلچی گرنڈبرگ حوثیوں پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ مئی 2024 سے زیرِ حراست اقوامِ متحدہ اور دیگر مغربی تنظیموں کے 73 ملازمین کو رہا کریں، قطع نظر اس کے کہ وہ "جاسوس" کے لیبل سے واقف تھے یا نہیں، ان کی حراست کی حقیقت وہی رہتی ہے۔ انہوں نے ان کی مسلسل حراست کو اقوامِ متحدہ کے پروگراموں اور وابستہ تنظیموں کی جانب سے فراہم کی جانے والی امداد میں کمی سے جوڑ دیا ہے؛ اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوٹیرس بھی اس دباؤ کی مہم میں شامل ہو گئے ہیں اور امداد میں کٹوتی کا ذمہ دار حوثیوں کو ٹھہرا رہے ہیں۔

یہ وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے بین الاقوامی نظام عالمی معاملات کو چلاتا ہے: ان قوموں کے خلاف جنگ چھیڑنا جو رضاکارانہ طور پر اس کے منصوبوں کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہوتیں اور مسلط کردہ حل کے ذریعے لوگوں کو محکوم بنانا، یہ سب کچھ ان حکومتوں کی نگرانی میں ہوتا ہے جنہیں اس نے خود منتخب کیا اور کمزور پوزیشنوں پر بٹھایا، ایسی حکومتیں جنہوں نے اللہ (سبحانہ و تعالیٰ) اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پیٹھ موڑ لی ہے۔ بین الاقوامی نظام اس گندی سیاسی کھیل کے پتے اپنے ہاتھوں میں رکھنے کا خواہشمند ہے۔ پھر بھی، یہ امداد بند کرنے کی دھمکی دے کر یا بھوک کا خوف دلا کر لوگوں کو مستقل طور پر محکوم اور ذلیل نہیں کر سکتا کہ اگر انہوں نے اس کی نافرمانی کی تو وہ بھوکے مر جائیں گے، جبکہ وہ اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کی اطاعت کا انتخاب کر لیں، جس نے انسانی زندگی کے سکون کے لیے نظام مقرر کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ "اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے"۔ [سورہ الاعراف:96]

یہ صورتحال مسلمانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں چھوڑتی کہ وہ زمین پر دوسری خلافتِ راشدہ کے تحت اسلامی حکمرانی کے قیام کے مطالبے کے لیے اپنی آواز بلند کریں، خاص طور پر جب بین الاقوامی نظام اتنا مکروہ ہو چکا ہے کہ اس کی کرپشن کی بدبو پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔

یہ جھوٹ کہ یہودی وجود امریکی پالیسی کو کنٹرول کرتا ہے

سی این این (CNN) نے امریکہ اور ایران کے درمیان مفاہمت کی یادداشت پر یہودی وجود کے وزیراعظم نیتن یاہو کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے: "صدر ٹرمپ اور میں ہمیشہ متفق نہیں ہوتے۔ وہ امریکہ کے صدر ہیں اور میں اسرائیل کا وزیراعظم ہوں۔ میں اسرائیل کے حفاظتی مفادات کا ذمہ دار ہوں، اور یہ کام دانشمندی سے انجام دینا ہو گا"۔

اخبار الرایہ: مسلمانوں میں یہ غلط تاثر عام کیا گیا ہے کہ یہودی وجود امریکی پالیسی کو کنٹرول اور اس کی سمت متعین کرتا ہے۔ امریکہ اور مسلم ممالک کے حکمران اس جھوٹ کو فروغ دینے میں پیش پیش رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو یہ باور کرایا جاسکے کہ یہودی وجود ایک ناقابلِ شکست طاقت ہے۔

تاہم، اس پروپیگنڈے کو بے نقاب کرنے والے شواہد مسلسل سامنے آرہے ہیں۔ ٹرمپ کے حالیہ بیانات ہی اس کے لیے کافی ہیں، جیسا کہ ان کا یہ کہنا: "میرے بغیر اسرائیل کا کوئی وجود نہ ہوتا، کیونکہ کوئی دوسرا صدر وہ کرنے کو تیار نہیں تھا جو میں نے کیا۔ اگر میں مداخلت نہ کرتا تو اسرائیل بہت پہلے ہی تباہ ہو چکا ہوتا،" اور یہ کہ نیتن یاہو کو اب لبنان کے معاملے میں زیادہ ذمہ داری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ان کا یہ بیان بھی اہم ہے: "بی بی (نیتن یاہو) کے ساتھ میرے بہترین تعلقات رہے ہیں، لیکن اب بی بی کو لبنان کے حوالے سے زیادہ ذمہ دار ہونا پڑے گا... آپ کو کسی ایک شخص کی تلاش میں ہر بار پوری رہائشی عمارت گرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ان اپارٹمنٹس میں بہت سے لوگ رہتے ہیں اور میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ سب حزب اللہ نہیں ہیں"۔ ایسے بیانات واضح کرتے ہیں کہ امریکی فیصلے یہودی وجود کی مرضی کے محتاج نہیں بلکہ اصل قوتِ فیصلہ امریکہ کے پاس ہی ہے۔

یہیں سے سانپ کے سر اور اس کی دم کے درمیان فرق کو سمجھنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ دم پر وار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اگر سر کو جوں کا توں چھوڑ دیا جائے۔ اسلامی امت نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ نہ تو امریکہ اور نہ ہی یہودی وجود وہ ناقابلِ تسخیر قوتیں ہیں جیسا کہ انہیں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ افغانستان، عراق، طوفان الاقصیٰ اور ایران اس حقیقت کے زندہ گواہ ہیں۔ لہٰذا، اس امت کی افواج کو اپنے قدم تیز کرنے چاہئیں اور اس تاریخی موقع کو غنیمت جانتے ہوئے حزب التحریر کے ساتھ مل کر پوری سنجیدگی سے نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کی جدوجہد کرنی چاہیے۔

معاشرے کا اتحاد عملی پالیسیوں کے ذریعے محفوظ رہتا ہے، عارضی جذبات سے نہیں

جب مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کا تذکرہ ہوتا ہے، تو ذہن میں ایک اعلیٰ اخلاقی تصویر ابھرتی ہے: ایک بھائی کا اپنے بھائی کے لیے اپنے گھر کے دروازے کھول دینا، اپنا رزق بانٹنا اور اسے اپنے اوپر ترجیح دینا۔ تاہم، اس بھائی چارے کو صرف جذباتی پیرائے میں دیکھنا اس کی حقیقی گہرائی کو کم کر دیتا ہے۔ یہ محض انفرادی نیکی نہیں تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے بطور سربراہِ ریاست اٹھایا گیا ایک خود مختار انتظامی اقدام تھا، تاکہ اس معاشی اور سماجی خطرے کا سدِباب کیا جا سکے جو نوزائیدہ ریاست کے وجود کے لیے چیلنج بن سکتا تھا۔

یہاں بھائی چارے کا یہ رشتہ ایک فوری حل کے طور پر نافذ کیا گیا۔ مہاجرین کو نہ تو مارکیٹ کی بے رحم قوتوں کے رحم و کرم پر چھوڑا گیا اور نہ ہی اس معاملے کو بکھری ہوئی انفرادی کوششوں کے سپرد کیا گیا۔ بلکہ نبی ﷺ نے ایک منظم فریم ورک کے تحت ہر مہاجر کو ایک انصاری کے ساتھ جوڑ دیا جس سے معاشی ہم آہنگی اور مشترکہ مقصد حاصل ہوا۔ یہ محض اخلاقی فیاضی نہیں تھی بلکہ سماجی وحدت کے تحفظ اور ریاست کے اندر طبقاتی تقسیم کو روکنے کے لیے ایک باشعور ریاستی پالیسی تھی۔ کوئی بھی سیاسی وجود جو اپنی بقا چاہتا ہے، وہ اپنے عوام کی بنیادی ضروریات سے آنکھیں نہیں چرا سکتا۔ جب بھوک رقص کرتی ہے تو نعرے کوئی تحفظ فراہم نہیں کرتے۔ جب دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے، تو یہ ایک خاموش لاوا پیدا کرتی ہے جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔ اسی لیے، اسلام میں معاشی نظام حکمرانی کے ایک مربوط نظام کا حصہ ہے جو عوام کی نگہبانی کو ترجیحِ اول بناتا ہے۔

یہ بھائی چارہ یکجہتی کی کوئی وقتی داستان نہیں تھی، بلکہ اس امر کا اعلان تھا کہ اسلامی ریاست میں معیشت عقیدے کے تابع ہے، اور دولت کی منصفانہ تقسیم اور عوامی معاملات کی نگہبانی کوئی سیاسی انتخاب نہیں بلکہ ایک شرعی فریضہ ہے۔ معاشرے کی یکجہتی عملی پالیسیوں سے مستحکم ہوتی ہے، عارضی جذباتی لہروں سے نہیں۔ جو اس حقیقت کو سمجھتا ہے وہ جان لیتا ہے کہ ریاست کی تعمیر نعروں سے نہیں بلکہ شریعت کے نظام کے تحت انسانی ضروریات کی کفالت اور وقار کے تحفظ سے ہوتی ہے۔